مذاہبِ عالم میں شادی بیاہ کی تعلیمات

حافظ محمد زاہد
فاضل وفاق المدارس العربیہ
ایم اے علوم اسلامیہ

مذاہبِ عالم میں شادی بیاہ کی تعلیمات
حافظ محمد زاہد

kitabsaray@hotmail.com

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا (القرآن)

مذاہبِ عالم میں
شادی بیاہ کی تعلیمات

(ایم اے علومِ اسلامیہ کا تحقیقی مقالہ)

حافظ محمد زاہد

فاضل وفاق المدارس العربیہ
ایم اے علومِ اسلامیہ

کتاب سرائے، لاہور

تعارفی نوٹ

زیرِ نظر کتاب ”مذاہب عالم میں شادی بیاہ کی تعلیمات“ دراصل ایم اے علوم اسلامیہ کا تحقیقی مقالہ ہے جو 07-2006ء میں بعنوان ”شرائط ولوازماتِ نکاح: ادیان ومذاہب کا مطالعہ“ شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور نے منظور کیا۔ بہت سے لوگوں کی توجہ دلانے پر اس تحقیقی مقالہ کو نظرثانی کے بعد کتاب کی شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔

15 مارچ 2012ء حافظ محمد زاہد

21 ربیع الثانی 1433ھ

پرنٹ لائن

نام کتاب:	مذاہب عالم میں شادی بیاہ کی تعلیمات
کمپوزنگ اور ڈیزائننگ:	حافظ محمد زاہد
طبع اول:	مارچ 2012ء۔ربیع الثانی 1433ھ
تعداد	500
زیر اہتمام:	منور پبلی کیشنز، لاہور۔35162866
ناشر:	کتاب سرائے، لاہور۔37320318
ملنے کے پتے:	☆ کتاب سرائے، الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
	☆ مکان نمبر 55، بلاک "C" جوہر ٹاؤن، لاہور
قیمت:	200

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

عنوانات

انتساب 15
تعارفِ مؤلّف 16
اظہارِ تشکّر 17
مقدّمہ 19
رپورٹ برائے مقالہ 23

بابِ اوّل: تعارفِ نکاح 25

فصلِ اوّل: نکاح کا معنی و مفہوم 28
نکاح کے لغوی معنی 28
نکاح کے شرعی معنی 29
نکاح کے فقہی معنی 29
نکاح کی تعریف 30
فصلِ ثانی: قدیم تہذیبوں میں شادی بیاہ کا تصور 31
یونانی تہذیب 32
رومی تہذیب 33
ایرانی تہذیب 34
مصری تہذیب 36
ہندوستانی تہذیب 37
عربی تہذیب (دورِ جاہلیت، قبل از اسلام) 39
دورِ جاہلیت میں رائج نکاح کے مختلف طریقے 40
حواشی (باب اول) 43

بابِ دوم: ہندومت میں شادی بیاہ کی تعلیمات 45

معیارِ رشتہ 48
اپنی ذات میں شادی کرنے کی قید 48
خاندان سے باہر دور جگہ شادی کرنا 49
چند خاندانوں میں شادی کرنے کی ممانعت 50
مخالف وصف رکھنے والوں کی شادی قطعاً جائز نہیں 51
شادی کے لیے موزوں اور غیر موزوں لڑکی 51
منگنی اور اس کی رسومات 52
منگنی کے رسم و رواج 53
جنم کنڈلی 53
شُبہ گھڑی / مہورت نکالنا 53
منگنی کے دن کی تفصیل 54
وَاک دان کی رسم 54
ناوَاں کی رسم 54
گراہَن دینے کی رسم 55
منگنی کی اقسام 55
منگنی کی عمر 55
منگنی کی پاسداری 56
تنسیخِ منگنی کے چند اسباب 56
منگنی منسوخ کرنے کی رسومات 57
پانی پلاوَن 57
مِتّھے لگاوَن 57
شادی کی عمر 57
کم سنی کی شادی 58

کم سنی کی شادی کا سبب 60
بچپن میں منگنی اور بعد از بلوغت رخصتی 61
کم سنی کی شادی کی صورت میں فریقین کو خیارِ بلوغ 62
والدین کی رضامندی 62
شادی کے لیے مہورت نکالنا 64
مہورت ضروری نہیں ہے 64
شادی کے دن کی تفصیل 65
بارات کا دلہن کے گھر جانا 65
منڈپ میں شادی 65
اگنی / آگ بطور گواہ 66
پانی گرہن یا ہاتھ پکڑنے کی رسم 66
دلہن کا پتھر پر پاؤں رکھنا 67
دلہا دلہن کا تنہائی میں ملنا 67
دلہا دلہن کے کپڑوں کو گرہ لگانا 68
کنیادان کرنا 68
اگنی کے گرد پھیرے لینا 68
آشیرباد لینا 69
قطب ستارہ دیکھنا 69
شادی کی چند معاشرتی رسومات 70
پیڑا ۔ مائیاں ۔ تیل چڑھانا 70
جُوٹھا ٹِکّا لگانے کی رسم ۔ جھلڑیاں ۔ لسّی پیر 71
پانی وارنا ۔ مُکلاوا 71
مہر کا تصور 72
محرمات 72

تعدّدِ ازدواج 73
دوسری شادی کے لیے چند شرائط 74
تعدّدِ ازدواج کی حد؟ 75
متعدّد شوہروں / مشترکہ بیوی کا رواج 76
متعدّد شوہروں کی صورت میں اولاد کس کی ہوگی؟ 77
متعدد شوہروں والی شادی کا سبب 78
بیوہ کا نکاحِ ثانی 78
ہندو معاشرے میں بیوہ کی حالتِ زار 79
سَتی / شوہر کے ساتھ جل جانے کی رسم 80
عورت کے ستی ہونے کا اصل سبب 82
مطلقہ / بیوہ کا نکاحِ ثانی 83
بیوہ کا بیاہ: منو اور ویدوں کی عبارات کا موازنہ 84
مختلف قبائل و علاقہ جات میں عورت کے نکاح ثانی کا رواج 85
زنا اور اس کی سزا 85
عورت کی سزا 86
مرد کی سزا 87
سزا میں ذات کا اعتبار 87
شادی شدہ مرد و عورت کی سزا 88
عصمت فروشی کرنے والی خواتین سے زنا کرنے کی کوئی سزا نہیں 89
بعض موقعوں پر زنا مذہباً جائز ہے 89
زنا کا ایک واقعہ 90
جبری آبروریزی کی صورت میں نکاح کا لزوم 91
جبری آبروریزی کی صورت میں نکاح کے لزوم کا سبب 92
شادی بیاہ کی اقسام 93

نیوگ: اولاد حاصل کرنے کا ناجائز طریقہ 93

نیوگ زنا نہیں ہے 94

نیوگ سے حاصل ہونے والی اولاد کی تعداد 94

نیوگ کے فوائد 95

خلاصۂ بحث 95

حواشی (باب دوم) 96

بابِ سوم: یہودیت میں شادی بیاہ کی تعلیمات 101

منگنی کا تصوّر 105

شادی کی عمر 107

شادی کا اجمالی خاکہ 108

شادی کے دن کی تفصیل 109

شادی کے دن روزہ رکھنا 109

شامیانہ/Kuppah 110

دس آدمیوں کی موجودگی میں شادی 112

انگوٹھی: رضامندی کی علامت 113

نکاح نامہ/Ketuba 114

دلہا دلہن کا شراب پینا 116

گلاس توڑنے کی رسم 116

سات دعائیں/سات چکّر 118

مہر کا تصور 119

محرمات 120

اجتماعِ اُختین بھی ممنوع ہے 122

غیر یہودی عورت سے نکاح بھی ممنوع ہے 122

تعدّدِ اَزدواج 123

بیوہ و مطلقہ کا نکاحِ ثانی 124

زنا اور اس کی سزا 126

زنا بالجبر کی سزا 127

لونڈی سے زنا کرنے کی سزا 127

جبری آبروریزی کی صورت میں نکاح کا لزوم 128

خلاصۂ بحث 128

حواشی (باب سوم) 130

بابِ چہارم: عیسائیت میں شادی بیاہ کی تعلیمات 133

شادی ایک مجبوری 135

پیغامِ نکاح اور منگنی کی رسم 137

ساتھی کا انتخاب 137

منگنی 138

منگنی کے موقع پر نصیحت 138

منگنی کی رسم 139

منگنی کے موقع کی خاص دعا 139

منگنی کی پابندی لازمی ہے 140

شادی کی عمر 140

مسیحی ممالک میں شادی کی کم از کم عمر 141

والدین کی رضامندی 142

دُلہا اور دلہن کے ملبوسات 143

دلہن کا نقاب اوڑھنا (گھونگٹ کرنا) 143

دلہا کا سہرا 144

بارات کا تصوّر 144

باراتیوں کا استقبال 145

باراتیوں کے لیے کھانا 145
دلہن کی رخصتی 146
بارات سے رخصتی تک کا سفر 146
شہ بالا کا تصور 147
پُکار (شادی کا اعلان) 148
پُکار کا مقصد 148
دلہا و دلہن کا ایجاب وقبول 149
ایجاب وقبول میں شخصی نام نہ لینا 150
ایجاب وقبول کے وقت ہاتھ نہ پکڑنا 151
انگوٹھی پہنانے کی رسم 151
دامن پھیلانے کی رسم 152
برکت دینے کی رسم 152
خطبۂ نکاح 153
ایجاب وقبول سے پہلے کی دعا 153
ایجاب وقبول کے وقت کی دعا 154
ایجاب وقبول کے بعد کی دعا 154
مہر کا تصور 155
بائبل کے مطابق مہر پر عورت کا حق نہیں 155
مہر کی اوسط رقم 156
کنوارا ہونا (بکارت) مہر کی شرط 156
مہر صحتِ نکاح کے لیے لازم نہیں 157
تعدّدِ ازدواج 157
بیوہ کا نکاحِ ثانی 159
بیوہ سے نکاح کی تفصیل 159

مطلقہ کا نکاحِ ثانی 160
زنا اور اس کی سزا 161
زنا بالجبر 162
جبری آبروریزی کی صورت میں نکاح کا لزوم 162
خلاصۂ بحث 162
حواشی (باب چہارم) 164

باب پنجم: اسلام میں شادی بیاہ کی تعلیمات 169

مساواتِ مرد وزن 172
اسلام عورت کے حقوق کا ضامن 174
شادی کی تاکید ازروئے اسلام 175
معیارِ رشتہ: دین داری 178
دین داری کے ساتھ دیگر ترجیحات 180
باکرہ ہونا 180
زیادہ بچے جننے والی ہونا 181
خوبصورت ہونا 181
ہم پلّہ (کفو) ہونا 182
پیغامِ نکاح 183
عورت کا اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کرنا یا پیغامِ نکاح بھیجنا 183
مرد کا کسی عورت کو پیغامِ نکاح بھیجنا 184
رشتہ پر رشتہ بھیجنے کی ممانعت 185
منگیتر کو ایک نظر دیکھنے کی اجازت 186
منگنی اور اس کی رسومات 187
منگنی میں برادری کی شرکت 188
منگنی کی انگوٹھی 188

- منگنی کے موقع پر شیرینی 189
- شادی کی عمر 190
- اس حوالے سے ایک معاشرتی برائی 192
- اسلامی ممالک میں لڑکا لڑکی کی شادی کی عمر 194
- مرد عورت کی عمر میں تناسب 194
- والدین کی رضامندی 195
- باپ کو جبر کا حق نہیں 196
- عورتوں کو نکاح کا اختیار 297
- مردوں کو نکاح کا اختیار 298
- ولی کو حقِ مشورہ اور اس کا لحاظ 198
- نکاح کے ارکان 199
- گواہی / شہادۃِ نکاح 200
- گواہوں کی موجودگی شرط ہے 201
- گواہوں کی تعداد 201
- گواہوں کی اہلیّت 202
- فریقین کا قول وقرار / ایجاب وقبول 203
- ایجاب وقبول کی تعریف 203
- ایجاب وقبول کے الفاظ 204
- ایجاب وقبول کے بارے میں چند اہم باتیں 204
- خط کے ذریعے ایجاب وقبول 205
- ٹیلی فون پر ایجاب وقبول 207
- مہر کا تصوّر 208
- اسلام میں مہر کا تصوّر 208
- مہر کا وجوب از روئے قرآن 209

- مہر کا وجوب از روئے حدیث 210
- مہر کی حکمت وفلسفہ 211
- مہر کی اقسام اور مقدار 212
- مہر کے بارے میں چند معاشرتی خرابیاں 213
- مہر میں افراط وتفریط 213
- مہر ادا کرنے کی نیت نہ ہونا 213
- سرپرست کا مہر معاف کر دینا 214
- مہر مانگنے کو برا سمجھنا 214
- سرپرست کا مہر وصول کر کے خرچ کر لینا 215
- مہر کے بارے میں چند عملی تجاویز 215
- خطبۂ نکاح 215
- خطبۂ نکاح: عربی متن اور اردو ترجمہ 216
- دعوتِ ولیمہ 217
- ولیمہ کی شرعی حیثیت 218
- ولیمہ کا وقت 219
- دعوتِ ولیمہ میں غرباء کو شریک کرنے کا حکم 219
- دعوتِ ولیمہ قبول کرنے کا حکم 220
- بعض صورتوں میں دعوتِ ولیمہ میں شرکت نہ کرنے کا حکم 221
- شادی کے موقع پر تحائف دینا 222
- شادی کے موقع پر دعا دینا 222
- شادی کی رسومات اور ان کا جائزہ 223
- معاشرتی وعلاقائی رسومات کی شرعی حیثیت 223
- مائیوں بٹھانے کی رسم 224
- تیل مہندی کی رسم 225

- سہرابندی کی رسم — 225
- سلامی دینا — 226
- بارات کا لشکر — 227
- بینڈ باجے کا اہتمام کرنا — 227
- شادی پر نوٹ نچھاور کرنا — 229
- بوقتِ نکاح دلہا دلہن کو کلمے پڑھانا — 229
- تین مرتبہ ایجاب وقبول — 229
- نکاح کے بعد چھوارے یعنی ''بد'' تقسیم کرنا — 229
- بَری دکھانا — 230
- نیوندرا — 230
- جوتا چھپائی اور دُلہا کے ساتھ غیر اخلاقی حرکتیں — 230
- دودھ پلانے کی رسم — 231
- اسلام میں سر بالہ /شہ بالا کا تصور نہیں ہے — 231
- قرآن مجید کے سائے میں دلہن کو رخصت کرنا — 232
- گود بٹھائی کی رسم — 232
- مُکلاوا کی رسم — 232
- محرمات — 233
- نسبی محرمات — 233
- نسبی محرمات کی فہرست — 234
- رضاعی محرمات — 235
- سسرالی محرمات — 235
- سببی محرمات — 236
- مشرک سے نکاح حرام ہے — 238
- تعدّدِ ازدواج — 239

- تعددِ ازدواج کے فوائد — 240
- اسلام میں مشترکہ بیوی کا قانون نہیں — 241
- صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت کیوں؟ — 241
- تعددِ ازدواج کی مشروط اجازت — 242
- بیوہ کا نکاحِ ثانی — 244
- بیوہ کے بارے میں معاشرتی خرابیاں — 246
- موت سے زوجین کو نامحرم سمجھنا — 246
- مسلم معاشرہ میں بیوہ کے نکاح کو برا سمجھنا — 247
- مطلقہ کا نکاحِ ثانی — 248
- زنا اور حد زنا — 250
- غیر شادی شدہ کی سزا — 251
- شادی شدہ کی سزا — 253
- خلاصۂ بحث — 254
- حواشی (باب پنجم) — 256
- حرفِ آخر — 263
- کتابیات — 267

انتساب

للّٰہ ولرسولہ

والدین بنی نوعِ انسان

حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے نام

جنہوں نے ازدواجی زندگی کی بنیاد رکھی

اور

اپنے قابلِ احترام والدین

منور حسین اور پروین اختر کے نام

جنہوں نے مجھے اس مقام تک پہنچایا

تعارفِ مؤلّف

نام	حافظ محمد زاہد
والد	منور حسین
تعلیم	حفظِ قرآن جامعہ مخزن العلوم، کراچی۔1992 تا 1994 فاضل درسِ نظامی جامعہ عثمانیہ، ماڈل ٹاؤن، لاہور/ وفاق المدارس العربیہ، ملتان۔1996 تا 2003 ایم اے اسلامیات پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔2005 تا 2007
ایڈیٹرشپ	رسالہ ''البدر'' شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ 2006 میں بطور ایڈیٹر اور 2007 میں بطور چیف ایڈیٹر
مضامین	اسلامی اور معاشرتی موضوعات پر مشتمل (مدلّل انداز و بیان میں) 16 مضامین مختلف رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔
ملازمت	ادارتی معاون، قرآن اکیڈمی، لاہور آفس اسسٹنٹ، انرجی ڈیپارٹمنٹ، لاہور
پتہ	مکان نمبر 55، بلاک "C" جوہر ٹاؤن، لاہور
فون نمبر	+92 321 4291904 +92 423 5162866
ای میل	pmzahids@yahoo.com

اظہارِ تشکّر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ!

تمام صفاتِ الوہیت اور تمام کلماتِ تشکّر اللہ جلّ شانہٗ اور ربّ العالمین کے لیے‘ جس نے ہمیں انسان‘ مسلمان اور پیغمبر آخر الزماں ﷺ کا اُمتی بنایا اور ہمیں علم و شعور جیسی نعمتوں سے نوازا۔ اور لاکھوں درود و سلام اور برکتیں ہوں رحمۃٌ للعالمین محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر اور ہزاروں رحمتیں ہوں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر جنہوں نے اپنا جان و مال دینِ اسلام پر قربان کر کے ہمارے لیے ہدایت کے راستوں کو آسان کر دیا کہ ہم ان راستوں پر چل کر دارین کی فلاح پا سکیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی: ’’جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا‘‘ کے پیشِ نظر میں بے حد ممنون اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں اپنے قابلِ احترام والدین (منور حسین اور پروین اختر) کا‘ جنہوں نے میرے لیے اتنا کچھ کیا جن کی تفصیل ذکر کرنے بیٹھوں تو شاید صفحات کم پڑ جائیں۔ ان کے مجھ پر ہزاروں احسانات ہیں اور ان میں سے سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے مجھے حفظِ قرآن جیسی دولت سے مالا مال کرایا‘ مجھے دینی تعلیم دلوائی‘ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم بھی دلوائی‘ میرے علمی سفر میں ہمیشہ میری رہنمائی کی‘ اس سفر میں آنے والی پریشانیوں میں مجھے حوصلہ دیا‘ میری کامیابیوں کے لیے ہر لمحہ دعا گو رہے اور مجھے اس قابل بنایا کہ میں اس موضوع پر اپنا قلم اُٹھا سکوں۔ مجھے یہ تسلیم کرتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں ہو رہی کہ میری محنت سے زیادہ اُن کی دعاؤں نے اس مقالہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

ان کی محبتوں‘ شفقتوں‘ احسانات اور دعاؤں کا بدلہ تو میں کسی صورت نہیں چکا سکتا‘ میں اپنے ربّ کے حضور انتہائی عاجزی و انکساری سے یہ دعا کر سکتا ہوں کہ اے میرے پروردگار! تو میرے والدین کو ہمیشہ خوش و خرم رکھ‘ ہر دکھ درد‘ تکلیف اور مصیبت سے اُن کی حفاظت فرما اور ’’اے ہمارے پروردگار! میرے والدین پر اُسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھ پر رحم کیا‘‘۔ اے اللہ! تو میری طرف سے میرے والدین کو‘ مجھ پر کیے گئے احسانات کا بدلہ دے اور اُن کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھیو۔ آمین یا ربّ العالمین!

اس تحقیقی مقالہ کی تکمیل میں بہت سی شخصیات کی معاونت اور پُرخلوص تعاون میرے شاملِ حال رہا‘ اگر میں اُن کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اپنے قلم کو جنبش نہ دوں تو یہ ان کے ساتھ ناانصافی ہو گی۔ میں بے حد ممنون اور شکر گزار ہوں جناب ڈاکٹر غلام علی خان صاحب (اسسٹنٹ پروفیسر‘ شعبہ علوم اسلامیہ‘ پنجاب یونیورسٹی‘ لاہور) اور بالخصوص جناب گلزار احمد صاحب (سابقہ پادری) کا‘ جنہوں نے اس مقالہ میں میری رہنمائی اور مدد کی اور مجھے اس قابل بنایا کہ اس موضوع پر کچھ لکھ سکوں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں نصیب کرے۔ آمین!

ان کے علاوہ میں شکر گزار ہوں اپنے تمام اساتذہ کرام کا‘ جن کی محنت اور دعاؤں نے مجھے اس مقام تک پہنچایا اور اپنے بہن بھائیوں اور بالخصوص اپنی بیوی (ثمرین زاہد) کا جن کے ہاتھ میری کامیابیوں کی دعا کرتے نہیں تھکتے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ میرے اس کام میں جتنے بھی لوگوں نے بلاواسطہ یا بالواسطہ میری مدد یا رہنمائی کی‘ اللہ تعالیٰ ان تمام کو جزائے خیر عطا فرمائے اور میری اس ادنیٰ سی کاوش کو اسلام کی ترقی اور میرے اور میرے والدین و اہلِ خانہ کے لیے دارین کی فلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

حافظ محمد زاہد
0321-4291904
pmzahids@yahoo.com

مُقدِّمہ

ازدواجی زندگی کی اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا، یہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام سے شروع ہوئی اور ہر دور، تہذیب، معاشرہ اور مذہب میں کسی نہ کسی صورت میں مختلف ناموں سے رائج رہی ہے۔تقریباً دنیا کے تمام مذاہب نے مرد وعورت کے ملاپ کا جائز اور قانونی ذریعہ شادی بیاہ کو ہی قرار دیا ہے اور اس کے بغیر مرد وعورت کے ملاپ کو بری نگاہ سے دیکھا ہے اور قابلِ گرفت سمجھا ہے۔

ہر مذہب، چاہے آسمانی ہو یا غیر آسمانی، میں شادی بیاہ کے قوانین اور ہر معاشرہ میں شادی بیاہ کی رسومات مختلف ہیں، جبکہ بعض رسومات تو ایسی ہیں جن کی وجہ سے ہر شخص پریشان ہے حالانکہ بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان رسومات کو مذہب نے انسان پر عائد نہیں کیا، بلکہ انسان نے خود ہی ایسی مشکل اور ناقابل عمل رسومات کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے جس کی بنا پر شادی بیاہ کے آسان مذہبی معاملہ کو معاشرہ نے پیچیدہ اور مشکل ترین بنادیا ہے۔

کسی کو کیا کہنا، ہم مسلمانوں کا حال بھی دوسروں سے مختلف نہیں ہے۔شادی بیاہ کا وہ معاملہ جو انسانوں کی فلاح کے لیے بنایا گیا تھا، معاشرہ نے اسے لوگوں کے لیے اتنا ضرر رساں بنا دیا ہے کہ ہر شخص اس معاملے میں پریشان نظر آتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ شادی جو ایک خوشی کی چیز تھی، اس زمانہ میں ایک مصیبت اور غم کا سامان بن کر رہ گئی ہے اور لڑکی کے والدین کے لیے تو یہ عذابِ جان سے بھی بڑھ کر ہوگئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آئے دن لڑکیوں کے مرنے اور زندہ جل جانے کی خبریں سامنے آتی رہتی ہیں اور آج بھی جاہلیت کی بات ثابت ہوتی نظر آتی ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ (النحل)

"اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ بے رونق ہوجاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے۔"

اس موضوع کو منتخب کرنے کا میرا مقصد بھی یہی ہے کہ مختلف مذاہب میں شادی بیاہ

سے متعلقہ قوانین اور شادی بیاہ کی مروّجہ رسومات کو بیان کروں اور بالخصوص اسلام کی سادگی کو بیان کرکے یہ واضح کروں کہ شادی بیاہ کا معاملہ صرف معاشرتی رسومات کی وجہ سے پیچیدہ بن گیا ہے، ورنہ آج بھی اگر کوئی ان معاشرتی رسومات کے بجائے صرف اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو تو شادی سے آسان کوئی معاملہ نہیں ہے۔

چونکہ یہ ایک پیچیدہ موضوع ہے اس لیے مجھے بعض مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا اور مواد کی کمی نے مجھے کافی پریشان رکھا، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے ان مذاہب کی بنیادی کتب تک رسائی ممکن ہوئی اور بہت سے لوگوں کی رہنمائی وتعاون نے مواد کی کمی کے مسئلے کو کسی حد تک حل کر دیا، مگر یہودیت کے بارے میں بنیادی کتب میسّر نہیں آئیں اس لیے یہودیت کے باب میں انٹرنیٹ سے مدد لی گئی ہے۔

اس کے علاوہ میں نے اس مقالہ کی تیاری کے دوران کئی عملی کام بھی کیے ہیں، مثلاً مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور گرجاگروں اور مندروں کا سروے بھی کیا۔ان سب کا مقصد یہ تھا کہ میں اپنے مقالہ کو مدلل انداز میں پیش کرسکوں۔

میری یہ دلی خواہش تھی کہ میں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی شادیوں میں شریک ہوکر ان کی شادیوں کا بعینہٖ معائنہ کروں اور پھر ان شادیوں کا آنکھوں دیکھا حال بھی اس مقالہ میں بیان کرسکوں، مگر ایسا ممکن نہیں ہوسکا جس کا مجھے عمر بھر ملال رہے گا۔

ازدواجی زندگی چونکہ ایک معاشرتی معاملہ ہے اس لیے اس کے بارے میں جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔موضوع کی اسی وسعت کو مدّنظر رکھتے ہوئے میں نے اس مقالہ کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے:

بابِ اوّل: پہلے باب کو میں نے دو فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔فصل اول میں نکاح کے معنی ومفہوم، نکاح کی تعریف اور مختصراً نکاح کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔دوسری فصل میں مختلف تہذیبوں میں شادی بیاہ کے تصور اور قانون کو مختصراً بیان کیا گیا ہے تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ اسلام سے پہلے کی جو تہذیبیں تھیں ان میں شادی بیاہ کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا جاتا تھا۔

بابِ دوم: دوسرے باب میں دنیا کے قدیم ترین مذہب ہونے کے دعوے دار ہندومت

میں شادی بیاہ کی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے۔ان تعلیمات میں ہندومت کے معیارِ رشتہ' پیغامِ نکاح' منگنی' شادی کے دن کی تفصیل اور شادی کی رسومات کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے اور اس کے بعد دوسرے ازدواجی قوانین مثلاً تعدد ازدواج' مشترکہ بیوی کا رواج' ہندو معاشرہ میں بیوہ کی حالت اور ہندومت میں بیوہ کے نکاح ثانی سے متعلق تعلیمات کو کافی تفصیل سے اس باب میں بیان کیا گیا ہے۔

بابِ سوم: غیر آسمانی مذہب میں سے ہندومت کو بیان کرنے کے بعد تیسرے باب میں آسمانی مذاہب میں سے یہودیت میں شادی بیاہ کی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے۔اس باب میں بھی ان ہی چیزوں کو زیر بحث لایا گیا جن کو ہندومت کے باب میں زیر بحث لایا گیا ہے' مثلاً منگنی' شادی کے دن کی تفصیل و رسومات' تعدد ازدواج' شادی کی عمر' محرمات اور آخر میں زنا اور اس کی سزا کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ جبری آبروریزی کی صورت میں نکاح کے لزوم کو بیان کیا گیا ہے۔

بابِ چہارم: یہودیت کے تصوّرِ نکاح کو بیان کرنے کے بعد اس باب میں عیسائیت میں شادی بیاہ کی تعلیمات کو موضوع بنایا گیا ہے۔اس باب میں عیسائیت کے حوالے سے پیغام نکاح' منگنی اور اسکی رسومات' شادی کی رسومات' شادی کی عمر' والدین کی رضامندی' دلہا دلہن کا قول وقرار' تعدد ازدواج' مہر کا تصور اور آخر میں زنا اور اس کی سزا کے ساتھ ساتھ جبری آبروریزی کی صورت میں ہونے والے نکاح کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔

بابِ پنجم: اس باب میں اسلام میں شادی بیاہ کی تعلیمات اور تمام قوانین کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔اس باب میں ہر عنوان کو شروع کرنے سے پہلے باقی مذاہب کے اس کے بارے میں تصور کو مختصراً ذکر کرنے کے بعد اسلام کے نقطہ نظر کو بیان کیا گیا ہے اور پھر موازنہ کرنے کے بعد اسلامی تعلیمات کے فطرتی ہونے اور اس کی حقانیت کو ثابت کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ دینِ اسلام کی فوقیت مذاہبِ عالم پر ثابت ہوجائے —— یہاں یہ بات بیان کرنا ضروری ہے کہ اسلام کے تصورِ نکاح اور باقی ازدواجی قانون کو دیکھ کر منصف پسند اور بغض سے پاک غیر مسلم بھی اسلام کی حقّانیت کو تسلیم کیے بنا نہیں رہ سکتے۔

اس باب میں مذہبی اور معاشرتی طور نکاح کے پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے' مثلاً نکاح

کے ارکان کو بیان کرنے کے بعد منگنی اور شادی کی غیر اسلامی اور فضول رسموں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اسلام میں نکاح کا تصور کتنا آسان ہے اور معاشرے نے اسے کتنا پیچیدہ بنادیا ہے کہ لوگ اب تجرد کی زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔

آخر میں تمام ابواب کا خلاصہ مختصر طور پر بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ کسی نتیجہ پر پہنچا جاسکے۔

بعد از تحقیق مجھے مذاہبِ عالم میں سے اسلام کی جامعیت وحقّانیت پر پختہ یقین ہوگیا اور یہ واضح ہوگیا کہ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں اسلام نے واضح تعلیمات نہ دی ہوں۔ازدواجی زندگی کے قوانین کو بھی شریعتِ اسلامیہ نے تفصیلاً بیان کیا ہے جس کے مطالعہ سے ایک مسلمان کو اپنے مسلمان ہونے پر فخر محسوس ہوتا ہے اور اس بات کا بھی احساس ہوتا ہے کہ شادی کا معاملہ آج بھی اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ دورِ نبوی ﷺ میں تھا' مگر شرط صرف اتنی ہے کہ معاشرہ کے رسم و رواج کو مدنظر رکھنے کے بجائے صرف اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔

مقالہ کے آخر میں کتابیات کی فہرست بھی دی گئی ہے تاکہ بوقت ضرورت سند رہے اور جو کوئی ان عنوانات سے متعلق مزید تفصیل پڑھنے کا خواہش مند ہو وہ ان کتابوں کی طرف رجوع کرکے اپنی علمی پیاس بجھا سکے۔

میرا موضوع اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت دقیق اور پیچیدہ تھا اور یہ ممارست و مہارت کا متقاضی تھا' جبکہ مجھے اپنی کم علمی کا پورا پورا احساس واعتراف ہے۔میری کم علمی کی وجہ سے اس مقالہ میں اگر کوئی خامی رہ گئی ہو تو اس پر میں معذرت خواہ ہوں اور امید کرتا ہوں کہ قارئین مجھے میری غلطی پر ضرور متنبہ فرمائیں گے۔

آخر میں' میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اس کی دی ہوئی توفیق سے میں نے اپنی بساط کے مطابق اس موضوع کے متعلق مستند حقائق پیش کرنے کی کوشش کی۔اللہ تعالیٰ میری اس سعی کو قبول فرمائے۔آمین یارب العالمین!

حافظ محمد زاھد

رپورٹ برائے مقالہ

SHAYKH ZAYED ISLAMIC CENTRE
University of Peshawar - Pakistan

رپورٹ مقالہ ایم اے اسلامک سٹڈیز

زیر عنوان: شرائط ولوازمات نکاح۔۔۔ ادیان ومذاہب کا مطالعہ

ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور کی طرف سے ارسال کردہ مقالہ بعنوان "شرائط ولوازمات نکاح۔۔۔ ادیان ومذاہب کا مطالعہ" از مقالہ نگار محمد زاہد زاہدی کا میں نے بالاستیعاب بغور مطالعہ کیا۔ باحث نے:

(۱) مقالے کا تحقیقی اور علمی مقام برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔
(۲) موضوع کو جامع انداز میں پیش کیا ہے۔
(۳) اسلام کا دیگر ادیان کے ساتھ تقابل کر کے اسلام کی حقانیت کو دلائل کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔
(۴) ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی ہے۔
(۵) مقالے کے مطالعے سے محقق کے علمی تشخص کا اندازہ ہو جاتا ہے۔
(۶) ہر مذہب کے مراجع ومصادر سے کافی حد تک استفادہ کیا ہے۔
(۷) باحث علم دوست اور صاحب درد وفکر اور اسلام کے ساتھ سچا جذبہ رکھنے والا معلوم ہوتا ہے۔
(۸) عصری تناظر کو بھی مد نظر رکھا ہے۔
(۹) اسلام کے خاندانی نظام کے خصوصیات اور فوقیت کو ثابت کیا ہے۔
(۱۰) مقالہ نگار نے اسلام میں عورت کے مقام، مرتبہ اور عزت وتکریم کی مستند اور مدلل انداز میں وکالت کی ہے۔

لہٰذا سفارش کی جاتی ہے کہ باحث کو ایم اے کی ڈگری ممتاز (Excellent) درجے میں دی جائے۔

تاہم مقالے کا علمی جائزہ اور احتساب بھی ایک علمی ذمہ داری اور دیانت ہے۔ لہٰذا مندرجہ ذیل ملاحظات بھی ہیں۔

Phone: (091) 9216746 Fax: (091) 9216747
E-mail: shzayed@islamic.psw.erum.com.pk Internet: szic@psh.brain.net.pk

SHAYKH ZAYED ISLAMIC CENTRE
University of Peshawar - Pakistan

۱- عنوان مقالہ کو مزید جامع اور مختصر کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً "نکاح کا معروف ادیان ومذاہب میں مطالعہ"

۲- شروط ولوازمات تک بحث کو محدود نہیں کیا گیا، دیگر موضوعات بھی شامل ہیں۔

۳- بعض موضوعات اور مباحث میں غیر ضروری طوالت سے کام لیا گیا ہے، خاص کر ہندو مت میں۔

۴- قرآن وا حادیث مبارکہ پر اعراب نہیں لگائے گئے ہیں جو ضروری ہیں۔

۵- بعض مقامات پر ثانوی مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۶- بعض مترجم کتابیں استعمال کی گئی ہیں، اصل مراجع تک رسائی چاہیے تھی۔

۷- فقہی آراء ذکر کرتے وقت متعلقہ فقہی مسلک کے کتابوں کو استعمال نہیں کیا گیا ہے۔

۸- بعض مقامات پر کتابوں کے مؤلفین کے نام ذکر نہیں کئے گئے ہیں۔

تاہم مقالے کا علمی مقام اپنی جگہ پر مسلّم ہے اور باحث اس علمی کام پر مبارکباد کا مستحق ہے۔

ممتحن خارجی

(دستخط)

از ڈاکٹر صاحب اسلام
اسسٹنٹ پروفیسر
شیخ زاید اسلامک سنٹر
پشاور یونیورسٹی
مورخہ: ۲۶/جنوری ۲۰۰۹

Phone: (091) 9216746 Fax: (091) 9216747
E-mail: shzayed@islamic.psw.erum.com.pk Internet: szic@psh.brain.net.pk

نوٹ: درج بالا رپورٹ، مقالہ کے ممتحن خارجی ڈاکٹر صاحب اسلام، اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی، پاکستان کی مرتب کردہ ہے جس کو سکین کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس رپورٹ میں جن ملاحظات کی طرف مُمتحِن نے توجہ دلائی انکو بفضل اللہ تعالیٰ پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ (حافظ محمد زاہد)

بابِ اوّل

تعارفِ نکاح

تعارفِ نکاح

خاندان کے اجزائے ترکیبی میں ایک مرد‘ ایک عورت اور ان کے بچے شامل ہیں اور خاندان کی بقا کے لیے مرد و عورت کا باہمی تعلق ضروری ہے۔ اس تعلق کے لیے تقریباً تمام مذاہب نے مرد و عورت کے درمیان شادی کے بندھن یعنی نکاح کو لازمی قرار دیا ہے اور اس کے بغیر تعلق قائم کرنے کو قابلِ گرفت اور ناجائز قرار دیا ہے۔ مرد و عورت کا یہ ازدواجی تعلق نسلِ انسانی کی بقا کے لیے ناگزیر عنصر ہے۔ ابو ریحان البیرونی مرد و عورت کے ازدواجی تعلق کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”کوئی قوم ازدواج کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس سے شہوانیت‘ جس کو ہر مہذّب ذہن برا سمجھتا ہے‘ بے لگام ہونے سے رک جاتی ہے اور ان وجوہات کا انسداد ہو جاتا ہے جو حیوانات کو ایسا مشتعل کر دیتے ہیں جن سے ان کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگر آپ ان جانوروں پر غور کریں جو جوڑے کی شکل میں رہتے ہیں اور دیکھیں کہ اس جوڑے کا ہر فرد کس طرح دوسرے کی مدد کرتا ہے اور جوڑا بن کر رہنے کی وجہ سے یہ کس طرح دوسرے جانوروں کی شہوت سے محفوظ رہتے ہیں تو آپ بلا تامل یہ کہہ اٹھیں گے کہ ازدواج ایک ضروری ادارہ ہے اور زنا ایک ایسا شرمناک عمل ہے جو انسان کو جانوروں کی سطح سے بھی نیچے گرا دیتا ہے حالانکہ حیوانات کا درجہ انسان سے بہت نیچے ہے۔“(۱)

تاریخ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ نکاح یا شادی بیاہ کا یہ ازدواجی تعلق اتنا ہی قدیم ہے جتنا انسان قدیم ہے۔ نسلِ انسانی کا پہلا شخص بھی اس ازدواجی تعلق سے سرشار تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہاالسلام کو پیدا کرنے کے بعد ان کے نکاح کا بندوبست کیا اور یہ باور کرایا کہ مرد اور عورت کے تعلق کے لیے شادی

یعنی نکاح کا ہونا لازمی ہے اور اس کے بغیر ایک مرد و عورت کا تعلق ناجائز ہے۔

شادی بیاہ کا یہ تعلق تقریباً دنیا کی تمام تہذیبوں میں کسی نہ صورت میں پایا جاتا ہے اور یہ انسانی تہذیب و تمدن میں سب سے مقدم اور اہم مسئلہ ہے۔ انسانی معاشرہ میں اس کی اہمیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ مرد و عورت کا یہ رشتہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہاالسلام کے ملاپ سے شروع ہوا اور ہر زمانے و تہذیب میں مختلف طریقوں سے رائج رہا۔ بقول سید ابوالاعلیٰ مودودی:

> ”نکاح انسانی تمدن میں سب سے مقدم اور اہم مسئلہ ہے اور آج تک کے حکماء و عقلاء پریشان و سرگرداں رہتے ہیں کہ اجتماعی زندگی میں عورت و مرد کا تعلق کس طرح قائم کیا جائے کیونکہ یہی تعلق دراصل تمدن کا سنگِ بنیاد ہے اور تکمیلِ انسانیت کے لیے شادی کی ضرورت ہر قوم اور ہر زمانہ میں اہم رہی ہے۔“(۲)

فصلِ اوّل

نکاح کا معنی و مفہوم

عربی اور اردو زبان میں نکاح کا لفظ رائج ہے جبکہ اردو میں نکاح کے مترادف الفاظ شادی‘ بیاہ بھی رائج ہیں۔ انگریزی زبان میں اس کے لیے marriage کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

نکاح کے لغوی معنی

نکاح کے لغوی معنی کے بارے میں علامہ عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں:

> ”لغت کی رو سے اس کے معنی ”وطی“ (یعنی مباشرت یا جماع) اور باہم ملنے کے ہیں۔ چنانچہ درخت کی شاخیں جب ایک دوسرے سے مل جائیں اور وہ باہم پیوست ہو جائیں تو کہا جاتا ہے ”تناکحت الاشجار“ (یعنی درختوں کا ہجوم ہو گیا یا درخت گڈ مڈ ہو گئے) اور اس کا اطلاق بطور مجاز (مرسل) کے عقد (نکاح) پر ہوتا ہے کیونکہ یہ سبب ہے مباشرت کا۔“(۳)

القاموس الفقهی لغةً و اصطلاحًا میں لغوی معنی اس طرح درج ہیں:

''لغت کی رو سے نکاح سے مراد اشیاء کو جمع کرنا ہے۔ ایک شے کے دوسری میں پیوست ہونے یا جذب ہوجانے پر نکاح کا لفظ بولا جاتا ہے۔''[۴]

نکاح کے شرعی معنی

نکاح کے شرعی معنی کے بارے میں علامہ عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں:

''دوسرے معنی اصولی ہیں جسے شرعی معنی بھی کہتے ہیں۔ اس بارے میں علماء کے تین مختلف اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ نکاح کے معنی بالکل لغوی معنی کی طرح ''مباشرت'' کے اور مجازی معنی عقدِ نکاح کے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ معنی لغوی سابقہ کے برعکس نکاح کے حقیقی معنی ''عقد'' کے ہیں اور مجازی معنی ''وطی'' کے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں یہ لفظ زیادہ تر عقد کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ لفظ نکاح عقد اور وطی دونوں معنوں میں مشترک ہے۔ دراصل اقوالِ ثلاثہ میں سے یہی قول سب سے زیادہ قوی ہے۔''[۵]

دائرہ معارفِ اسلامیہ کا مقالہ نگار نکاح کے شرعی معنی بایں الفاظ بیان کرتا ہے:

''ایک ایسا شرعی معاہدہ جس کے ذریعے مرد وعورت کے درمیان جنسی تعلق جائز اور اولاد کا نسب صحیح ہوجاتا ہے اور زوجین کے درمیان دیوانی حقوق وفرائض پیدا ہوجاتے ہیں۔''[۶]

نکاح کے فقہی معنی

نکاح کے تیسرے معنی فقہی ہیں جس کی تعبیر فقہاء نے مختلف عبارتوں سے کی ہے، لیکن مفہوم سب کا ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ عقدِ نکاح شارع نے اس لیے رکھا ہے کہ اس سے خاوند اپنی بیوی کے تمام جسم سے محفوظ ہوسکے۔ علامہ الجزیری نے کتاب الفقہ میں حنفی، مالکی اور شافعی فقہاء سے نکاح کی جو تعریفیں منقول ہیں انکو بیان کیا ہے:

احناف کے نزدیک: نکاح ایک معاملہ ہے جو اس ارادہ سے کیا جائے کہ ایک شخص ملک

متعہ کا مالک ہوجائے۔

شوافع کے نزدیک: نکاح ایک معاملہ ہے جس میں نکاح یا تزویج یا اس کے ہم معنی لفظ استعمال کیا جاتا ہے تاکہ اس سے مباشرت کی ملکیت حاصل ہو اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص لذتِ معلومہ سے تمتّع کا مالک ہوجائے۔

مالکیہ کے نزدیک: نکاح محض جنسی لذت (یا عورت سے مباشرت) کے لیے ایک معاملہ ہے جو حصولِ لذّت سے پہلے گواہوں کی موجودگی میں کیا جاتا ہے۔[۷]

مظاہرِ حق میں نکاح کی فقہی تعریف بایں الفاظ کی گئی ہے:

''علماءِ فقہ کی اصطلاح میں نکاح اس خاص عقد و معاہدہ کو کہتے ہیں جو مرد وعورت کے درمیان ہوتا ہے اور جس سے دونوں کے درمیان زوجیّت کا تعلّق پیدا ہوتا ہے۔''[۸]

نکاح کی تعریف

صاحبِ شرح وقایہ نے نکاح کی تعریف بایں الفاظ کی ہے:

هو عقد موضوع لملك المتعة ای حل استمتاع الرجل من المرأة[۹]

الدرالمختار میں نکاح کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

هو عقد يفيد ملك المتعة ای حل استمتاع الرجل من المرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعی[۱۰]

مولانا مجاہد الاسلام نکاح کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نکاح مرد وعورت کے درمیان شرعی اصولوں پر کیا گیا معاہدہ ہے جس کے نتیجے میں ایک دوسرے کے ساتھ جنسی تعلق جائز اور پیدا ہونے والی اولاد کا نسب شرعاً ثابت ہوجاتا ہے اور باہم حقوق وفرائض عائد ہوجاتے ہیں۔''[۱۱]

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نکاح کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نکاح ایک شرعی معاہدہ ہے جس کے ذریعے مرد وعورت کے درمیان جنسی تعلق جائز اور اولاد کا نسب صحیح ہوجاتا ہے اور زوجین کے درمیان دیوانی حقوق و فرائض پیدا ہوجاتے ہیں۔''[۱۲]

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس کا مقالہ نگار marriage کے تحت لکھتا ہے:

Marriage has two main functions. It is the means adopted by human society for regulating the relations between the sexes and its furnishes the mechanism by means of which the relations of a child to the community is determined.[13]

''شادی کے دو اہم کام ہیں: ① اس کے ذریعے انسانی معاشرہ میں مرد و عورت کے درمیان تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ ② اس کے ذریعے ہمیں وہ لائحہ عمل ملتا ہے جس سے ایک بچے کے معاشرہ کے ساتھ تعلقات طے ہوتے ہیں (یعنی پیدا ہونے والے بچہ کا نسب اور اس کے والدین کا تعین ہوتا ہے)۔''

فصل دوم

قدیم تہذیبوں میں شادی بیاہ کا تصور

نکاح انسانی تہذیب و تمدن میں سب سے مقدم اور اہم مسئلہ ہے۔ انسانی معاشرہ میں اس کی اہمیت تعارف کی محتاج نہیں۔ مرد و عورت کا رشتہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کے ملاپ سے شروع ہوا اور ہر زمانے و تہذیب میں یہ مختلف طریقوں سے رائج رہا۔ بقول سید ابوالاعلیٰ مودودی:

''نکاح انسانی تمدن میں سب سے مقدم اور اہم مسئلہ ہے اور آج تک کے حکماء و عقلاء پریشان و سرگرداں رہتے ہیں کہ اجتماعی زندگی میں عورت و مرد کا تعلق کس طرح قائم کیا جائے کیونکہ یہی تعلق دراصل تمدن کا سنگِ بنیاد ہے اور تکمیلِ انسانیت کے لیے شادی کی ضرورت ہر قوم اور ہر زمانہ میں اہم رہی ہے۔''[14]

ذیل میں قدیم معاشروں اور تہذیبوں میں شادی بیاہ کے تصور اور تعلیمات کا مختصراً جائزہ لیا جاتا ہے:

یونانی تہذیب

زمانہ قدیم میں جس قوم کی تہذیب سب سے نمایاں نظر آتی ہے وہ یونان کی تہذیب ہے۔ یہاں شادی کا ایک نظام رائج تھا' لیکن اس قوم کے ابتدائی دور میں اخلاقی' قانونی اور معاشرتی لحاظ سے عورت کی حیثیت گری ہوئی تھی۔ بقول ڈاکٹر خالد علوی:

''اخلاقی بنیادوں پر عورت کی حیثیت بے بس غلام کی سی تھی اور مرد کو اس معاشرے میں ہر اعتبار سے فوقیت حاصل تھی بلکہ بداخلاقی کی اس فضا میں عورت صرف ہوس کا نشانہ تھی۔ عورت کو تمام مصائب کا سبب قرار دیا گیا تھا۔''[15]

یونانی معاشرہ میں شادی کا طریقہ تو رائج تھا' مگر اس کے قوانین بہت دقیانوس تھے۔ بقول مولانا محمد جعفر خان:

''لیکن یونان میں نکاح پر کوئی قدغن یا پابندی نہ تھی جو شخص جس سے چاہتا نکاح کر لیتا حتیٰ کہ دختر اور ہمشیرہ تک سے نکاح جائز اور بعض موقعوں پر ثواب سمجھا جاتا تھا۔''[16]

مولانا سید جلال الدین عمری یونانی تہذیب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بحیثیت مجموعی باعصمت یونانی بیوی کا مرتبہ بہ غایت پست تھا۔ اس کی زندگی مدۃ العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی' لڑکپن میں اپنے والدین کی' جوانی میں اپنے شوہر کی' بیوگی میں اپنے فرزندوں کی وراثت میں۔ اس کے مقابلہ میں اس کے مرد اعزہ کا حق ہمیشہ راجح سمجھا جاتا تھا۔ طلاق کا حق اسے قانوناً ضرور حاصل تھا تاہم وہ عملاً اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی کیونکہ عدالت میں اس کا اظہار یونانی ناموس و حیا کے منافی تھا......ازدواج کا مقصد خالص سیاسی رکھا گیا یعنی یہ کہ اس سے طاقتور اولاد پیدا ہو جو حفاظتِ ملک کے کام آئے اور اسپارٹا کے قانون میں تو یہ تصریح موجود تھی کہ کمسن وضعیف القوی شوہروں کو اپنی کمسن بیویاں کسی نوجوان کے حبالۂ عقد میں دے دینا چاہیے تاکہ فوج میں قوی سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔''[17]

بعض یونانی لوگوں نے نکاح کے اس قانون کے باوجود خود کو بازارِ حسن سے وابستہ

کر رکھا تھا۔ان کی اخلاقی حالت اس درجہ تک پہنچ گئی تھی کہ قحبہ خانہ یونانی سوسائٹی کے ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ طبقوں تک ہر ایک کا مرکز و مرجع بنا ہوا تھا۔

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

’’یونان میں نکاح کے بغیر عورت اور مرد کا تعلق بالکل ٹھیک اور معقول سمجھا جاتا تھا تاہم کچھ طبقہ ایسا بھی موجود تھا جو مذہبی نکتہ نگاہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ازدواجی تعلق کے لیے نکاح ہی کو موزوں خیال کرتا تھا۔‘‘(۱۸)

رومی تہذیب

یونان کے بعد جس قوم کو دنیا میں عروج نصیب ہوا وہ اہلِ روم تھے۔یہاں بھی عورت پستی کا شکار تھی اور بیوی کو کوئی حق حاصل نہ تھا۔بقول مولانا جلال الدین عمری:

’’غلاموں کی طرح عورت کا مقصد بھی خدمت اور چاکری سمجھا جاتا تھا۔مرد اس غرض سے شادی کرتا تھا کہ وہ بیوی سے فائدہ اٹھا سکے۔وہ کسی عہدہ کی اہل نہیں سمجھی جاتی تھی حتیٰ کہ کسی معاملہ میں اس کی گواہی تک کا اعتبار نہیں تھا۔رومی سلطنت میں اس کو قانونی طور پر کوئی حق حاصل نہیں تھا......عورت کا مرتبہ رومی قانون نے ایک عرصہ دراز تک نہایت پست رکھا۔افسرِ خاندان جو باپ ہوتا یا شوہر‘اس کو اپنے بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا اور وہ عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا۔جہیز یا دلہن کے والد کو نذرانہ دینے کی رسم کچھ بھی نہ تھی اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے‘ بلکہ بعض دفعہ تو وہ کی کرائی شادی کو توڑ سکتا تھا۔زمانہ مابعد یعنی دورِ تاریخی میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہو گیا اور اب اس کے اختیارات یہاں تک وسیع ہو گئے کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل کر سکتا تھا۔‘‘(۱۹)

رومی جمہوریت کے زمانہ میں عورت اور نوجوان نسل کو کس کر رکھا گیا تھا اور اخلاق کا معیار کافی بلند تھا۔ایک مرتبہ رومی سینیٹ کے ممبر نے اپنی بیٹی کے سامنے اپنی بیوی کا بوسہ لیا تو اس کو قومی اخلاق کی سخت توہین سمجھا گیا اور سینیٹ میں اس کے خلاف تحریک جمع کرائی گئی۔الغرض اس دور میں عورت اور مرد کے تعلق کی جائز اور شریفانہ صورت نکاح

کے سوا کوئی نہ تھی۔رفتہ رفتہ رومی سلطنت میں نکاح و طلاق کے قوانین میں تغیّر رونما ہوتا رہا اور نکاح محض ایک قانونی معاہدہ بن کر رہ گیا اور طلاق کی آسانیاں اس قدر بڑھ گئیں کہ بات بات پر ازدواج کا رشتہ توڑا جانے لگا۔مشہور رومی مدبّر ’’سینکا‘‘ رومیوں کی کثرتِ طلاق پر ماتم کرتے ہوئے کہتا ہے:

’’اب روم میں طلاق کوئی بڑی شرم کے قابل چیز نہیں رہی۔عورتیں اپنی عمر کا حساب اپنے شوہروں کی تعداد سے لگاتی ہیں۔‘‘

بعد ازاں بے حیائی اور بد اخلاقی اس قدر عام ہو گئی کہ اس عہد میں معزز خاندان کی عورتوں کو پیشہ ور طوائف بننے سے روکنے کے لیے ایک قانون نافذ کرنے کی ضرورت پیش آئی —— ’’فلورا‘‘ نامی ایک کھیل رومیوں میں بہت مقبول ہوا کیونکہ اس میں برہنہ عورتوں کی دوڑ ہوا کرتی تھی۔اسی طرح اس دور میں عورتوں اور مردوں کے برسرِ عام یکجا غسل کرنے کا رواج بھی بہت عام تھا۔

ایرانی تہذیب

ایران کا شمار دنیا کے مشہور اور قدیم ملکوں میں ہوتا ہے۔ان کی تہذیب ایشیا کے ہر ملک میں قابلِ تقلید اور ان کے اخلاق ایشیائی اقوام کے لیے قابلِ اقتدا سمجھے جاتے تھے‘ لیکن ظہورِ اسلام کے وقت ان کی حالت اس قدر خراب تھی کہ زرتشت کو خدائی صفات دینے کے ساتھ ساتھ ان کا خاندانی نظام بہت خراب ہو چکا تھا اور ان میں زنا کا رواج عام تھا۔بقول مولانا اکبر شاہ:

’’زنا کا رواج اس درجہ ترقی کر گیا تھا کہ مزدک ناہنجار نے سرِ دربار کسرائے ایران کی بانوئے سلطنت کو بے عصمت کرنے کی فرمائش کی اور فرمانروائے ایران نے اس کی اس نامعقول و حیا سوز جرأت کی مخالفت ضروری نہ سمجھی۔‘‘(۲۰)

ایران میں تعددِ ازدواج کا انوکھا قانون تھا۔آمدنی کے حساب سے ہر شخص کو بیویاں رکھنے کی اجازت تھی۔پیر کرم شاہ ایران میں تعدد ازدواج کے بارے میں رقم طراز ہیں:

’’خاندان کی بنیاد تعدد ازدواج پر تھی۔ایک شخص کو متعدّد بیویوں سے نکاح کرنے

کی اجازت تھی۔ ہر شخص اپنی آمدنی کے مطابق بیویوں کی تعداد مقرّر کر سکتا تھا۔ غریب آدمی کو ایک بیوی پر قناعت کرنی پڑتی تھی۔ خاوند گھر کا سربراہ ہوتا تھا۔ ساری بیویوں کو یکساں درجہ نہیں دیا جاتا تھا' بلکہ بعض کو بعض پر خصوصی امتیازات حاصل تھے۔ ایک بڑی بیوی ہوتی تھی جس کو ''زنِ پادشاہی ہا'' کہتے تھے وہ دوسری بیویوں سے افضل سمجھی جاتی تھی اور اس کو خاص حقوق حاصل تھے۔ اس کے علاوہ دوسری بیویوں کا درجہ بہت کم تھا ان کو ''زنِ چگاری ہا'' کہتے تھے یعنی خدمت گار بیوی۔ ان کے قانونی حقوق بڑی بیگم کے حقوق سے مختلف تھے۔ خاوند پر لازم تھا کہ اپنی بیاہتا بیوی کو عمر بھر نفقہ دے۔''(۴۱)

ایک طرف تعددِ ازدواج کا یہ قانون تھا تو دوسری طرف محرمات سے نکاح پر کوئی پابندی نہ تھی:

''ایران میں محرّمات وغیرہ کے ساتھ شادی کو مذہبی طور پر جائز سمجھا جاتا تھا اور اس قسم کی شادیاں ''خویذوگدس'' کہلاتی تھیں۔ ایرانیوں کے ہاں اس قسم کی شادی کی رسم بہت دیرینہ ہے چنانچہ ہخامنشیوں کی تاریخ میں ہمیں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ ان کی مذہبی کتابوں میں اس شادی کی بڑی عظمت بیان کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ایسی مزاوجت (شادی) پر خدا کی رحمت کا سایہ پڑتا ہے اور شیطان اس سے دور رہتا ہے۔''(۴۲)

ایران میں ایک اور عجیب وغریب رسم تھی کہ ایک شخص اپنی بیوی دوسرے شخص کو دے دیتا تاکہ وہ اس کو اپنے روزگار کے کام میں استعمال کرے۔ بقول پیر کرم شاہ:

''ایرانیوں کے ہاں ازدواجی زندگی کے بارے میں چند عجیب وغریب معمولات تھے جنہیں کوئی باغیرت اور باحمیت انسان سننے کے لیے بھی شاید تیار نہ ہو' لیکن وہ ان معمولات پر کوئی خجالت وشرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ پروفیسر آرتھر لکھتے ہیں: شوہر مجاز تھا کہ اپنی بیوی یا بیویوں میں سے ایک کو خواہ وہ بیاہتا بیوی ہی کیوں نہ ہو' کسی دوسرے شخص کو جو انقلابِ روزگار سے محتاج ہو گیا ہو اس غرض کے لیے دے دے کہ وہ اس سے کسبِ معاش کے کام میں مدد لے۔ اس میں عورت کی رضامندی کا حاصل کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ اس عارضی ازدواج سے جو اولاد ہوتی

تھی وہ پہلے شوہر کی سمجھی جاتی تھی۔ یہ مفاہمت ایک قانونی اقرار نامے کے ذریعے ہوتی تھی......اس قسم کا معاہدہ انسانی ہمدردی کے ذیل میں شامل کیا جاتا تھا یعنی یہ کہ ایک شخص نے اپنے ایک محتاج ہم مذہب کی مدد کی۔''(۴۳)

مصری تہذیب

مصر کی قدامت کا تصور اور مصری تمدن کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لیے اہرامِ مصر اور ابوالہول کے مجسمے اور موجودہ زمانہ میں تہہ خانوں سے برآمد ہونے والی اشیاء سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ مصر پر ایرانیوں' یونانیوں اور رومیوں نے بار بار حملے کیے اور بہت دنوں تک قابض ومتصرف رہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ ان حملہ آوروں کی تہذیب و تمدن نے بھی مصر پر اپنا اثر ڈالا ہوگا۔ مصر میں بھی باقی معاشروں کی طرح زنا کی کثرت دیکھنے کو ملتی ہے۔ بقول مولانا اکبر شاہ:

''زناکاری اور غارتگری کے لیے ترغیب دہ اصول وقواعد بنا لیے گئے تھے۔ قتل انسان معمولی تفریح گاہوں کے لیے سامانِ تفریح سمجھا جاتا تھا۔ عورتوں کو خودکشی کی ترغیب دی جاتی تھی۔ غرض کہ مصر کی تاریکی بھی کسی ملک کی تاریکی سے کم نہ تھی اور تہذیب وشائستگی کے علامات مصریوں کے اعمال واخلاق سے بکلی معدوم تھے اور جہالت وتاریکی جس قدر چاہو' موجود تھی۔''(۴۴)

مصری بادشاہوں کے لیے محرمات سے نکاح کرنے پر کوئی قدغن نہیں تھی۔ بادشاہ اپنی بہن یا بیٹی سے بھی بیاہ کر لیتا تھا۔ پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

''عہدِ قدیم میں مصری بادشاہ اپنی بہن سے شادی کر لیا کرتا اور بسا اوقات اپنی بیٹی کو اپنی بیوی بنا لیا کرتا تھا اور اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے تھے کہ شاہی خاندان کے خون کو بیرونی عناصر کے خون کی آلودگی سے پاک رکھنا چاہتے ہیں۔ بادشاہوں کی یہ عادت ان کے شاہی محلات تک محدود نہ تھی بلکہ ان کی رعایا میں بھی اس قبیح فعل کو قبولِ عام حاصل ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ دوسری صدی عیسوی میں ارسینوئی کے دو تہائی باشندے اس طریقہ کار پر عمل پیرا تھے۔''(۴۵)

علی عباس جلال پوری اس بات کو اپنے انداز میں بیان کرتے ہیں:

"فراعین اور رؤساء عام طور سے اپنی بہنوں سے نکاح کرتے تھے تاکہ وہ ان کے ورثے میں حصہ دار بن سکیں جو انہیں اپنی ماؤں کی جانب سے ملتا تھا۔ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ یہ جائیداد اغیار کے قبضے میں چلی جائے۔ بعض فراعین اپنی بیٹی سے نکاح کر لیتے تھے۔"(۲۶)

مصر میں ایک رواج یہ بھی تھا کہ وہ لڑکیوں کو مٹی کے بتوں کی زوجیت میں دے دیتے۔ بت تو ان سے کچھ نہ کر سکتے مگر وہاں موجود پجاریوں کی چاندنی ہو جاتی اور وہ ان سے فائدہ اٹھاتے۔ بقول علی عباس جلال پوری:

"رؤساء کے طبقے سے منتخب حسین لڑکیاں دیوتاؤں کی زوجیت میں دی جاتی تھیں جو فی الحقیقت پروہتوں کے تصرف میں آتی تھیں۔"(۲۷)

ہندوستانی تہذیب

یونانی، رومی اور ایرانی تہذیبوں کی طرح ہندوستانی تہذیب بھی شادی بیاہ کے معاملے میں افراط وتفریط کا شکار تھی۔ ایک طرف ذات پات کا نظام رائج تھا کہ صرف اپنی ذات کی لڑکی سے شادی کرنے کی پابندی تھی تو دوسری طرف عورت کو داسی یعنی بتوں کے عقد میں دے دیا جاتا تھا۔ عورت ہمیشہ مرد کے تابع بن کے ہی زندگی گزار سکتی تھی۔ ہندوؤں کے مشہور قانون دان منومہاراج لکھتے ہیں:

"عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں رہے اور جوانی میں شوہر کے اختیار میں اور بیوہ ہونے کے بعد اپنے بیٹوں کے اختیار میں۔ خود مختار ہو کر کبھی نہ رہے۔"(۲۸)

بیاہ کی مختلف اقسام رائج تھیں جن میں سے بعض صورتیں ایسی تھیں جن کو بیاہ کہنے کے بجائے "زنا بالجبر" کہنا زیادہ صحیح ہے۔ بیاہ کی یہ اقسام ہندوؤں کی تمام کتابوں میں موجود ہیں۔ انعام الرحمٰن سحری اپنی کتاب میں ہندوؤں کے بیاہ کی اقسام کی پیچیدگیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہندو مذہب میں شادیوں کی اتنی اقسام ہیں کہ غیر ہندو طالبعلم کے لیے ان کا

یاد رکھنا، ان میں تفریق کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ ان کی اولادوں کے مسائل تو شاید ان کے اپنے عالموں کی سمجھ میں بھی نہیں آتے ہوں گے۔ ذرا ذہن میں لائیے کہ چار ذاتوں کے مردوں کی چار ذاتوں کی عورتوں سے شادی اگر ریاضی کے ضرب چلّیپائی کے اصول کے مطابق ہی کی جائے تو ہر ایک سے ہونے والی اولاد کی درجہ بندی مختلف ہوگی۔ پھر بیوہ، گھر سے بھاگنے والی عورت، بغیر مہر کے لائی جانے والی عورت، بکنے والی عورت، لڑکے پیدا کرنے والی عورت، بے اولاد عورت، جڑواں پیدا کرنے والی عورت، گویا ہر قسم کی عورت الگ قسم کی شادی میں رہے گی۔"(۲۹)

عورت ہمیشہ اپنے شوہر کے تابع رہ کر زندگی گزارتی۔ شوہر اس پر جس طرح مرضی چاہے ظلم کرتا رہے مگر وہ اس کی پوجا اور خدمت گزار بن کر ہی رہ سکتی ہے۔ شوہر کے مر جانے کے بعد اس عورت کے پاس دو اختیار تھے، یا تو شوہر کے ساتھ زندہ جل جائے جسے ستی کی رسم کا نام دیا گیا ہے یا پھر وہ جانوروں سے بھی بدتر زندگی اختیار کر لے اور پھر اس کو زندگی بھر بیوہ بن کر زندہ رہنا ہے اور یہ کسی سے شادی نہیں کر سکتی۔ بقول منومہاراج:

"عورت کے لیے قربانی اور برت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ صرف شوہر کی خدمت کرنا چاہیے۔ عورت کو چاہیے کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے شوہر کا نام بھی نہ لیوے، کم خوراکی کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کرے۔"(۳۰)

مولانا جلال الدین عمری "ستی" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہندوستان میں ستی کا رواج خود اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہاں کی عورت کا کوئی مستقل وجود نہیں سمجھا جاتا تھا اور خاوند کی موت کے ساتھ اس سے بھی زندگی کا حق چھین لیا جاتا تھا۔"(۳۱)

اس کے علاوہ بھی ہندوؤں میں بہت سے غیر انسانی قانون رائج تھے مثلاً عورت کی مندر کے بُت سے شادی کر دینا، نیوگ کے ذریعے اولاد حاصل کرنے کا ناجائز طریقہ اور محرمات سے شادی کرنے کا قانون بھی ہندوؤں میں موجود تھا۔ ان سب کی تفصیل باب دوم میں موجود ہے۔

عربی تہذیب (دورِ جاہلیت، قبل از اسلام)

جزیرۃ العرب کے حالات بھی باقی تہذیبوں سے مختلف نہ تھے۔اس معاشرے میں بھی عورت کو جائیداد کی طرح مرد کی ملکیت تصور کیا جاتا تھا۔زنا اور ناجائز تعلقات کی وجہ سے ان کا خاندانی نظام بالکل درہم برہم ہو چکا تھا۔زنا کوئی گناہ یا جرم نہیں تھا۔ الغرض ان کا معاشرتی اور ازدواجی تعلق پستی کی آخری حدوں تک پہنچ چکا تھا۔شاہ معین الدین عرب کی حالتِ زار کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”عرب کا گھر مے خانہ تھا۔بدقسمتی میں مال و دولت، ننگ و ناموس سب قربان کر دیتے تھے۔قمار بازی میں گھر کی کُل دولت حتیٰ کہ عورت تک بازی میں لگا دیتے تھے۔بڑے بڑے شرفاء اپنی عزیز عورتوں اور شریف خواتین کے عشق و محبت کی داستان فخریہ عام مجمع میں مزے لے کر سناتے تھے۔زنا کوئی عیب نہیں تھا۔عورتوں کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے۔نکاح کی کوئی حد نہیں تھی، بھیڑ بکری کی طرح جتنی عورتیں چاہتے رکھ لیتے تھے۔“ (۳۲)

ایک طرف تعدد ازدواج کی کوئی حد بندی نہیں تھی ایک آدمی جتنی بیویاں چاہتا رکھ سکتا تھا۔دوسری طرف محرمات سے نکاح پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی۔بقول مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری:

> ”کسی تحدید کے بغیر متعدد بیویاں رکھنا بھی ایک معروف بات تھی اور لوگ ایسی دو عورتیں بیک وقت نکاح میں رکھ لیتے تھے جو آپس میں سگی بہنیں ہوتی تھیں۔ باپ کے طلاق دینے یا وفات پانے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا تھا۔اور طلاق کا اختیار صرف مرد کو حاصل تھا اور اس کی کوئی حد نہ تھی۔“ (۳۳)

اسی طرح احادیث میں ایسے کئی اشخاص کا ذکر ملتا ہے جن کی اَن گنت بیویاں تھیں، مثلاً

① ”حارث بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا اس وقت میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان میں سے چار چُن لو (اور باقی چھوڑ دو)۔“ (۳۴)

② ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غیلان بن سلمہ رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں اور وہ سب بھی ان کے ساتھ ہی مسلمان ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ ان میں سے چار کا انتخاب کر لو (اور باقیوں کو چھوڑ دو)۔“ (۳۵)

دورِ جاہلیت میں رائج نکاح کے مختلف طریقے

قبل از اسلام عرب میں نکاح کے مختلف طریقے رائج تھے۔جن میں سے بعض کو تو نکاح کہنا ہی درست نہیں کیونکہ وہ سراسر زنا سے مشابہ تھے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے عرب کے دورِ جاہلیت میں رائج نکاح کے ان طریقوں کا پتا چلتا ہے جو ان کی تہذیب کا حصہ تھے۔حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ زمانہ جاہلیت میں چار طرح کا نکاح تھا: (۳۶)

① عام نکاح: ان میں سے ایک طریقہ تو وہ تھا جو (اصولی طور پر) آج بھی رواج میں ہے کہ ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا اس کی زیرِ ولایت لڑکی کے لیے نکاح کا پیغام دیا جاتا۔پھر وہ مناسب مہر مقرر کر کے اس لڑکی کا نکاح اس آدمی سے کر دیتا۔

② نکاح استبضاع: دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کسی آدمی کی بیوی جب حیض سے پاک ہو جاتی تو شوہر خود اپنی بیوی سے کہہ دیتا کہ تو اس آدمی کو بلا کر اس سے مباشرت کر پھر کچھ عرصہ کے لیے وہ اس سے الگ رہتا اور اسکو ہاتھ نہ لگاتا تھا۔یہاں تک کہ وہ دوسرے شخص سے حاملہ ہو جاتی۔پھر جب اس کے حمل کے آثار ظاہر ہو جاتے تو اس کے بعد یہ شوہر حسب خواہش اپنی بیوی سے صحبت کرتا اور یہ سب کچھ اس غرض سے کرتا کہ لڑکا نجیب (بڑی شان والا) پیدا ہو۔اور اس طریقہ کو ”نکاح استبضاع“ کہا جاتا ہے۔

③ تیسرا طریقہ نکاح: چند آدمیوں کی ایک ٹولی (روایت میں رھط کا لفظ بولا گیا ہے جو دس سے کم کے لیے بولا جاتا ہے) ایک عورت کے پاس پہنچتی اور ان میں سے

ہر ایک اس سے صحبت کرتا (اور یہ سب باہمی رضامندی سے ہوتا)۔ پھر اگر وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ پیدا ہوتا تو چند روز کے بعد وہ ان سب آدمیوں کو بلواتی (اور دستور کے مطابق) کسی کے لیے بھی اس کی گنجائش نہ ہوتی کہ وہ نہ آئے۔ اس لیے سب ہی پہنچ جاتے تو وہ کہتی کہ جو کچھ ہوا تھا وہ تمہیں معلوم ہے اور (اس کے نتیجہ میں) میرے ہاں یہ بچہ پیدا ہوا ہے اور پھر وہ ان میں سے جس کو چاہتی نام ذکر کر کے کہتی: اے فلانے یہ تیرا لڑکا ہے۔ پھر وہ لڑکا اسی کا مان لیا جاتا تھا اور وہ آدمی انکار نہیں کر سکتا تھا۔

④ چوتھا طریقہ نکاح: ایک عورت سے بہت سے لوگوں کا جنسی تعلق ہوتا۔ کسی کے لیے کوئی روک ٹوک نہ ہوتی۔ یہ پیشہ ور رنڈیاں ہوتی تھیں۔ ان کے گھروں کے دروازوں پر بطور علامت ایک نشان نصب ہوتا تھا جو کوئی بھی چاہتا ان کے پاس پہنچ جاتا۔ تو جب ان میں سے کسی کو حمل ہو جاتا اور پھر بچہ پیدا ہوتا تو اس سے تعلق رکھنے والے یہ سب لوگ جمع ہو جاتے اور قیافہ شناسی کے ماہرین بلائے جاتے۔ پھر وہ (اپنی قیافہ شناسی سے) اس بچہ کو جس کے نطفہ سے سمجھتے' اسی کا لڑکا قرار دے دیتے اور بس وہ اس سے چپک جاتا اور اسی کا بیٹا کہا جاتا۔ وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔

پیر کرم شاہ نے ان طریقوں کے علاوہ اور بھی کئی طریقے لکھیں ہیں جو دورِ جاہلیت میں رائج تھے:[۴۵]

⑤ نکاحِ متعہ: اس کا بھی عام رواج تھا۔ اس میں گواہوں کے بغیر عورت اور مرد مقررّہ وقت کے لیے معیّنہ مال کے عوض بیاہ کر لیتے تھے اور میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے تھے۔

⑥ نکاحِ بدل: ان کے ہاں ازدواج کا یہ حیا سوز طریقہ بھی تھا کہ دو مرد آپس میں یہ طے کر لیتے کہ تو اپنی عورت کو میرے پاس بھیج دے میں اپنی بیوی کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔

⑦ نکاحِ شغار: ایک آدمی اپنی لڑکی کا بیاہ کسی مرد کے ساتھ اس شرط پر کر دیتا کہ وہ

مرد اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دے دے گا اور دونوں اپنی بیویوں کو مہر ادا نہیں کریں گے۔

⑧ پوشیدہ نکاح: ایسی بدکاری جو لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو وہ بُری نہیں سمجھی جاتی تھی لیکن ایسی بدکاری جس کا عام چرچا ہو اور کُھلم کُھلّا ہو اس کو عیب اور کمینگی سمجھا جاتا تھا۔

خلاصۂ بحث

اسلام سے قبل کی تہذیبوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ تمام تہذیبیں شادی بیاہ کے معاملے میں افراط و تفریط کا شکار تھیں۔ عورت کو تو کوئی حق حاصل ہی نہیں تھا' اسے یا تو زندہ درگور کر دیا جاتا یا پھر اس کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ جب عورت بیوی بنتی تو بھی وہ مساواتی حقوق کی حق دار تصور نہیں کی جاتی تھی۔ اس کا کام صرف شوہر کی خدمت کرنا ہوتا تھا یا اس کی ہوس کو پورا کرنا۔ اس کے علاوہ اسے کسی قسم کی کوئی عزت حاصل نہ تھی۔

ان تہذیبوں میں شادی بیاہ کے ایسے نازیبا طریقے رائج تھے کہ ان کو نکاح کہنے کے بجائے زنا کہنا زیادہ درست ہے۔ اسلام سے قبل کی تہذیبیں اولاد کے نسب کے معاملے میں بھی افراط و تفریط کا شکار تھیں۔ ایک عورت کے بیک وقت کئی مردوں سے تعلقات ہوتے تھے جس کی بنا پر اولاد کا نسب مشکوک ہو جاتا تھا۔

ان تہذیبوں میں ایک عام برائی یہ بھی نظر آتی ہے کہ ان میں زنا کا رواج عام تھا۔ زنا کوئی اخلاق سے گری ہوئی حرکت نہ تھی' بلکہ لوگ اعلانیہ زنا کرتے تھے اور زنا کی سزا کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

الغرض اسلام سے قبل کی تہذیبیں اپنے پیروکاروں کو فطرتی قانون نہ دے سکیں جس کا ہر باعزت شخص تقاضا کرتا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان تہذیبوں میں تقریباً ہر وہ برائی تھی جو ایک قوم کے زوال کا باعث بنتی ہے۔

حواشی (باب اول)

(۱) تاریخ ہندوستان، ص ۲۰۳۔

(۲) پردہ، ص ۱۰۔

(۳) کتاب الفقہ، ج ۴، ص ۱۔

(۴) القاموس لغۃ واصطلاحا، ص ۳۶۰۔

(۵) کتاب الفقہ، ج ۴، ص ۱۔۲۔

(۶) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۲۲، ص ۴۳۹۔

(۷) کتاب الفقہ، ج ۴، ص ۳۔۴۔

(۸) مظاہرِ حق، ج ۳، ص ۲۴۶۔

(۹) شرح وقایہ، ج ۳، ص ۴۔

(۱۰) الدر المختار، کتاب النکاح، ج ۲، ص ۵۔

(۱۱) اسلام کے عائلی قوانین، ص ۳۲۔

(۱۲) مجموعہ قوانین اسلام، ج ۱، ص ۳۲۔

(۱۳) Encyclopedia of Religian and Ethics, Vol 8, P423.

(۱۴) پردہ، ص ۱۰۔

(۱۵) اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۹۴۔

(۱۶) ازدواجی زندگی کے لیے اہم قانونی تجاویز، ص ۷۔

(۱۷) عورت اسلامی معاشرہ میں، ص ۲۱۔

(۱۸) انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد ہشتم، ص ۴۴۴۔

(۱۹) عورت اسلامی معاشرہ میں، ص ۲۱۔

(۲۰) تاریخ اسلام، جلد اول ودوم، ص ۶۸۔

(۲۱) ضیاء النبی ﷺ جلد اول، ص ۷۹۔۸۰۔

(۲۲) ایضاً، ص ۸۱۔

(۲۳) ایران بعہدِ ساسانیاں، ص ۴۳۶۔۴۳۷۔ بحوالہ: ضیاء النبی ﷺ جلد اول، ص ۸۲۔

(۲۴) تاریخ اسلام، جلد اول ودوم، ص ۷۰۔

(۲۵) ضیاء النبی ﷺ جلد اول، ص ۱۶۱۔

(۲۶) روایات تمدّنِ قدیم، ص ۵۶۔

(۲۷) ایضاً، ص ۵۶۔

(۲۸) منوسمرتی، باب ۵: ۴۵۔

(۲۹) شادی ایک مطالعہ، ص ۲۶۳۔

(۳۰) منوسمرتی، باب ۵: ۱۵۵ تا ۱۵۷۔

(۳۱) عورت اسلامی معاشرہ میں، ص ۳۰۔

(۳۲) تاریخ اسلام، جلد اول ودوم، ص ۳۲۔

(۳۳) الرحیق المختوم، ص ۶۸۔

(۳۴) سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی من اسلم وعنده نساء اکثر من اربع او اختان۔

(۳۵) سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی الرجل یسلم وعنده عشر نسوة۔

(۳۶) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح الا بولی۔

(۳۷) ضیاء النبی ﷺ جلد اول، ص ۳۶۰۔

باب دوم

ہندومت

میں شادی بیاہ کی تعلیمات

ہندومت میں
شادی بیاہ کی تعلیمات

ہندومت ایک غیر الہامی مذہب ہے جو درحقیقت مختلف رسوم ورواج اور ایک خاص طرزِ زندگی کا نام ہے۔اس میں شادی بیاہ کے بارے میں اگرچہ مفصّل ہدایات ملتی ہیں، مگر عورت کی عفت وعصمت اور اس کے کسی ایک مرد کے ساتھ وابستہ رہنے کا تصور اتنا صاف اور واضح نہیں ہے کہ عورت میں شراکت کا امکان ختم ہو جائے اور شادی کے بغیر اس سے جنسی تعلق کی قطعاً گنجائش باقی نہ رہے۔عورت کے ساتھ سخت برتاؤ کرنے کے سلسلے میں جس قدر ہدایات ہندوؤں کی مذہبی کتب میں موجود ہیں اتنی دنیا کے کسی اور مکتبہ فکر کی مذہبی کتب میں نہیں ہیں۔

ہندو معاشرہ میں عورت کی حیثیت بہت پست رہی ہے اور بیوی سے نہ تو نیک سلوک کیا جاتا ہے اور نہ ہی اسے وہ عزت دی جاتی ہے جو ایک بیوی کا حق ہے۔ہندو مذہب میں عورت کو محکومیت کی زنجیروں میں بند رکھا گیا ہے اور اسے اپنے زندگی کے کسی موڑ میں آزادی کا حق نہیں دیا گیا۔منو مہاراج لکھتے ہیں:

''عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں رہے، اور جوانی میں شوہر کے اختیار میں، اور بیوہ ہونے کے بعد اپنے بیٹوں کے اختیار میں۔خود مختار ہو کر کبھی نہ رہے۔''①

ہندومت میں ازدواجی زندگی سے متعلق بہت سے ایسے قوانین ہیں جو غیر فطرتی ہیں، مثلاً اپنی ذات میں اور خاندان سے باہر شادی کرنا، ایک عورت کے کئی کئی شوہر، اور مرد کو بغیر کسی حد کے تعددِ ازدواج کی اجازت، اور سب سے بڑھ کر ستی کی رسم وغیرہ —— ان

کے علاوہ ہندومت میں شادی بیاہ کے اتنے طریقے رائج ہیں کہ ایک عام شخص ان کو سمجھ ہی نہیں سکتا اور ان میں سے بعض ایسے طریقے ہیں جو شادی کے زمرے میں آتے ہی نہیں، بلکہ وہ تو زنا کی لسٹ میں شمار ہوتے ہیں۔ہندوستان میں ازدواجی زندگی کے بارے میں ایک اخباری رپورٹ ملاحظہ کریں:

''ہندو عورت کی ازدواجی زندگی بہت دردناک و رسوا کن ہے۔۱۹۸۷ء میں بھارت میں عورتوں پر مجرمانہ حملوں اور قتل وغارت کے سب سے زیادہ واقعات ہوئے ہیں۔بتایا جاتا ہے کہ ہر سال دارالحکومت دہلی میں 500 لڑکیوں کو کم جہیز لانے پر زندہ جلا دیا جاتا ہے، لیکن ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے ان وارداتوں کے مرتکب افراد سزا سے بچ جاتے ہیں۔''②

معیارِ رشتہ

شادی میں سب سے پہلے رشتہ تلاش کیا جاتا ہے اور رشتہ جوڑتے وقت لڑکے اور لڑکی کی عادات اور رہن سہن کا معائنہ کیا جاتا ہے کہ آیا یہ دونوں شادی کر کے خوش بھی رہ سکیں گے یا نہیں۔دیانند سرسوتی نے معیارِ رشتہ کے موضوع کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس سلسلے میں کچھ شرائط کو بیان کیا ہے جن کو ہم ترتیب سے بیان کرتے ہیں:

① اپنی ذات میں شادی کرنے کی قید

ہندو معاشرہ میں ذات پات کا نظام بہت اہمیت کا حامل ہے اور شادی بیاہ میں ذات پات کے اس نظام کو بہت ترجیح اور اہمیت دی جاتی ہے۔ایک ذات کا مرد کسی دوسری ذات کی عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔ذات پات کے اس نظام میں سب سے زیادہ آزادی برہمن کو دی گئی ہے کہ وہ جس ذات کی لڑکی سے چاہے بیاہ کر سکتا ہے۔اس نظام میں سب سے زیادہ پسنے والا طبقہ شودر ہے جو عام معاشرتی قوانین کی طرح شادی بیاہ کے قانون میں بھی زیادتی کا شکار ہے کہ وہ صرف اپنی ذات کی لڑکی سے ہی شادی کر سکتا ہے۔کھشتری کو اپنی ذات کے علاوہ ویش اور شودر کی لڑکی سے بیاہ کرنے کی اجازت ہے، جبکہ ویش یا تو ہم ذات لڑکی سے بیاہ کر سکتا ہے یا پھر شودر کی لڑکی سے۔منو

مہاراج اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''شودر صرف اپنی ذات کی لڑکی سے' اور ویش اپنی ذات اور شودر کی لڑکی سے' اور کھشتری اپنی ذات اور ویشیہ اور شودر کی لڑکی سے' اور براہمن چاروں ورنوں کی لڑکی سے وواہ کرسکتا ہے۔ کسی اتہاس میں یہ نہیں پایا جاتا کہ مصیبت کے وقت بھی براہمن یا کھشتری نے کسی شودر کی لڑکی سے شادی کی ہو۔''④

منومہاراج لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی ذات کو چھوڑ کر کسی دوسری ذات کی لڑکی سے بیاہ کرتا ہے تو ہندو دھرم کے مطابق ایسا شخص تکلیف اٹھائے گا:

''برہمن' کھشتری' ویشیہ تینوں ورن اگر محبت کی وجہ سے نیچ ذات کی لڑکی سے ساتر وواہ کرے تو اولاد اور اپنے کُل کو جلد پاش کر دیتے ہیں۔''④

② خاندان سے باہر دور جگہ شادی کرنا

رشتہ جوڑتے وقت اس بات کا بھی لحاظ رکھا جائے گا کہ لڑکی اور لڑکے کا خاندان ایک نہ ہو یعنی لڑکی' لڑکے کی ماں کے خاندان سے بھی نہ ہو اور نہ ہی باپ کے خاندان سے ہو۔ اگر لڑکی اسی خاندان کی ہے تو پھر ان کا بیاہ جائز نہیں ہے۔ دیانند سرسوتی لکھتے ہیں:

''جو لڑکی ماں کے خاندان کی چھ پشتوں میں اور باپ کے گوتر (نسب) کی نہ ہو اس سے شادی کرنی چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر موجود چیز سے جو محبت ہوتی ہے وہ پاس والی چیز سے نہیں ہوتی۔ جیسے کسی نے مصری کی تعریف سنی ہو مگر کھائی نہ ہو تو اس کا دل اسی کو چاہتا رہتا ہے (پس) جس وجہ سے کسی غائب چیز کی تعریف سن کر اسکو حاصل کرنے کی خواہش تیز ہوتی ہے اسی وجہ سے دور جگہ یعنی جو اپنے نسب اور ماں کے خاندان پدری میں نزدیک کے رشتہ کی نہ ہو' اسی لڑکی سے لڑکے کا بیاہ ہونا چاہیے۔''⑤

دیانند سرسوتی نے خاندان سے باہر دور جگہ شادی کرنے کے بہت سے فوائد اپنی کتاب میں گنوائے ہیں:

''اوّل: جو بچے بچپن سے نزدیک رہتے ہیں' باہم کھیل لڑائی اور محبت کرتے' ایک دوسری کی خوبی' نقص' عادت یا بچپن کی بدچلنی کو جانتے ہیں اور ننگے بھی ایک

دوسرے کو دیکھتے ہیں' ان کی باہم شادی ہونے سے محبت کبھی نہیں ہوسکتی۔

دویم: جیسے پانی میں پانی ملنے سے نرالی صفت (پیدا) نہیں ہوتی ویسے ہی ایک گوتر باپ یا ماں کے خاندان میں شادی ہونے سے دھاتوں کا ادل بدل نہ ہونے سے ترقی نہیں ہوتی۔

سویم: جیسے دودھ میں مصری یا سونٹھ وغیرہ دوائیوں کے ملاپ سے عمدگی ہوتی ہے ویسے ہی مختلف گوتر والے یعنی جن کے ماں باپ مختلف خاندان سے ہوں' ایسے مرد وعورت کا بیاہ افضل ہے۔

چہارم: جیسے اگر کوئی ایک ملک میں مریض ہو وہ دوسرے ملک میں ہوا اور کھانے پینے کی تبدیلی سے تندرست ہوتا ہے ویسے ہی دور ملکوں کے رہنے والوں کے بیاہ ہونے میں بھی عمدگی ہے۔

پنجم: نزدیک ہونے سے ایک دوسرے کو اپنے اپنے باپ کے خاندان کی مدد کا گھمنڈ ہوگا اور جب کچھ بھی دونوں میں ناراضگی ہوگی تب عورت فوراً ہی باپ کے خاندان میں چلی جائے گی۔ ایک دوسرے کی مذمت زیادہ ہوگی اور رنجش بھی' کیونکہ اکثر عورتوں کا مزاج تیز اور نرم (جلد اثر پذیر) ہوتا ہے۔

ایسے ہی باعثوں سے باپ کے ایک گوتر' ماں کی چھ پشتوں میں اور نزدیک جگہ بیاہ کرنا اچھا نہیں۔''⑥

③ چند خاندانوں میں شادی کرنے کی ممانعت

ہندومت میں ایک طرف تو یہ قانون ہے کہ اپنے خاندان میں شادی نہیں کی جاسکتی تو دوسری طرف کچھ خاندان ایسے ہیں جن سے رشتہ جوڑنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں دس قسم کے خاندانوں کا ذکر کیا ہے جن سے رشتہ ازدواج قائم کرنا ممنوع ہے:

''چاہے کتنی ہی دولت' اجناس' گائے' بکری' ہاتھی' گھوڑے' حکومت' زر وغیرہ سے مالا مال یہ خاندان ہوں تو بھی شادی کرنے میں مندرجہ ذیل دس خاندانوں کو ترک کر دینا چاہیے۔ جو خاندان نیک عمل سے گرا ہوا ہو۔ نیک آدمی جس میں نہ ہوں۔ وید کی تعلیم کے برخلاف۔ جسم پر بڑے بڑے بال یا جن میں بواسیر'

تپدق، دمہ، کھانسی، امراضِ معدہ، مرگی، جزام یعنی سفید یا گلت کوڑھ ہوں، ان خاندانوں کی لڑکی یا لڑکے کے ساتھ بیاہ نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ سب عیب اور مرض بیاہ کرنے والے کے خاندان میں بھی آجاتے ہیں اس لیے اچھے اور تندرست خاندان کے لڑکے اور لڑکیوں کا آپس میں بیاہ ہونا چاہیے۔''(۷)

④ مخالف وصف رکھنے والوں کی شادی قطعاً جائز نہیں

ہندومت میں رشتہ قائم کرنے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ لڑکا اور لڑکی کی عادتیں ملتی جلتی ہوں ورنہ بیاہ مناسب نہیں ہے، کیونکہ اس سے ان میں پیار محبت کا فقدان ہوگا۔ سنسکارودھی میں مخالف وصف رکھنے والوں کو بیاہ کرنے سے منع کیا گیا ہے:

''شادی ایک کبھی نہ ٹوٹنے والے تعلق کا نام ہے۔ اس لیے جن کی آپس میں شادی ہوتی ہے اگر ان میں مکمل یکسانیت اور مطابقت نہ ہوگی تو وہ ساری عمر بدمزگی کی زندگی گزاریں گے۔ وہی گھر جسے ان کے ملاپ سے سورگ (جنت) بن جانا چاہیے تھا، ان کے لیے دوزخ سے زیادہ تلخ اور خوفناک ہو جائے گا۔ اس سے نہ صرف شخصی طور پر انہیں بھی تکلیف پہنچے گی بلکہ ساری سوسائٹی پر اس کا برا اثر پڑے گا اور یہ ناقابل تلافی قومی نقصان ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب تک پتی پتنی میں مکمل یکسانیت اور ایک دوسرے سے گہرا پریم نہ ہو، گر بھادہان (ہم بستری) کرتے وقت ان کا ویریہ ٹھیک طور پر نہیں رہتا اس لیے اس سے جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ نکمے، کمزور، دائم المرض اور چڑچڑے ہوتے ہیں۔''(۸)

⑤ شادی کے لیے موزوں اور غیر موزوں لڑکی

اب تک جو شرائط بیان کی گئیں ان کا تعلق لڑکا اور لڑکی دونوں سے تھا اب یہاں لڑکی سے متعلق شرائط کو بیان کیا جاتا ہے۔ ہندو مذہب کے شادی بیاہ کے قوانین میں لڑکی کی ظاہری شکل وصورت اور جسمانی خوبصورتی کو معیار بنایا گیا ہے اور ان کی مذہبی کُتب میں ایسی لڑکیوں کا تذکرہ ملتا ہے جن سے بیاہ کرنا اور ازدواجی تعلق قائم کرنا مناسب نہیں ہے۔ منومہاراج اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''اس کی شادی ایسی دوشیزہ سے نہ ہونے پائے جس کے بال سرخ ہوں، نہ اس

سے جس کا کوئی عضو زائد ہو، نہ اس سے جو طبعاً علیل ہو، نہ اس سے جس کے (جسم پر بالکل) بال نہ ہوں یا بہت زیادہ ہوں، اور نہ اس سے جو سرخ چشم یا باتونی ہو۔''(۹)

اسی طرح برے یا ڈراونے نام والی لڑکیوں سے بھی شادی کا رشتہ جوڑنا یا کسی ایسی لڑکی سے شادی کرنا جس کے باپ کا پتا نہ ہو یا اس کا کوئی بھائی نہ ہو، ہندو دھرم میں مناسب نہیں ہے — اس کے علاوہ موزوں لڑکی کے اوصاف کا تذکرہ بھی ہندومت کی مذہبی کتابوں میں موجود ہے۔ مثلاً دیانند سرسوتی لکھتے ہیں:

''جس کے صاف سیدھے اعضاء ہوں یعنی پسندیدہ ہوں، اور جس کا نام عمدہ جیسے یشووا، شکھدا وغیرہ ہو، ہنس اور ہتھنی جیسی جس کی چال ہو، جس کا رونگٹا چھوٹا اور ملائم ہو، سر کے بال اور دانت باریک ہوں، اور جس کے جسم کے سب اعضاء ملائم ہوں، ایسی عورت سے بیاہ کرنا چاہیے۔''(۱۰)

منگنی اور اس کی رسومات

عام طور پر شادی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ایک منگنی یعنی رشتہ پکا کرنے کی رسم اور اس کے بعد مرحلہ آتا ہے بیاہ اور رخصتی کا۔ ہندومت میں بھی شادی کو ان ہی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہندوازم میں منگنی کے لیے ''سگائی'' کا لفظ بولا جاتا ہے اور منگنی کو بہت دھوم دھام سے منانے کا رواج بھی ہندو معاشرہ میں پایا جاتا ہے۔ جان ڈی مین لکھتے ہیں کہ ہندومت میں منگنی اور شادی کو الگ الگ تصور کیا جاتا ہے لہٰذا ان کو ایک نہیں سمجھنا چاہیے:

''شادی کو منگنی سے مخلوط کر کے پیچیدگی نہ پیدا کی جانی چاہیے۔ ایک تو مکمل معاملہ ہوتا ہے اور دوسرا صرف ایک معاہدہ...... غالباً ذیل کی دو چیزوں میں امتیاز کرنا ہی اصل دشواری ہے یعنی منگنی، جو شادی کرنے کا صرف ایک وعدہ ہے اور وفاداری کا عہد ہے، جو خود شادی کا ایک جزو ہے۔ بعض مرتبہ ان دونوں کو ایک ہی نام دیا جاتا ہے۔''(۱۱)

ای ڈی میکلیگن اپنی کتاب ''پنجاب کے رسم و رواج کا انسائیکلو پیڈیا'' میں منگنی کے بارے میں ہندوؤں کا نظریہ واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہندوؤں کے ہاں منگنی ایک معاہدہ ہے اور اصولی طور پر لڑکی کو بیاہنے کے لیے ایک ناگزیر ابتدائی رسم بھی۔ تاہم ایک مرتبہ بیاہی گئی لڑکی کی دوبارہ منگنی پہلی منگنی والی رسومات کے مطابق نہیں کی جاسکتی۔''○

منگنی کے رسم و رواج

منگنی کے مذہبی رواج بہت سادہ اور کم ہیں' مگر معاشرتی طور پر بہت سے رسم و رواج کو منگنی کا لازمی جزو بنالیا گیا ہے۔ مذہبی طور پر منگنی میں صرف یہ رسمیں شامل ہیں:

''المختصر جائز یا درست منگنی کے لوازمات یہ ہیں: لوگوں کے سامنے رشتے کا اعلان اور قبولیت' کھانا کھلانا اور تحائف کا تبادلہ۔ مذہبی رسوم کی ادائیگی کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔''(۱۲)

معاشرتی لحاظ سے ہندوؤں نے اس سادہ سی منگنی میں بہت سی رسمیں شامل کر لی ہیں جن کے بغیر وہ منگنی کو مکمل تصور نہیں کرتے۔ ان رسومات کو ''پنجاب کے رسم و رواج کا انسائیکلوپیڈیا'' کے حوالے سے ترتیب سے بیان کیا جاتا ہے:

جنم کنڈلی: سب سے پہلے رشتہ تلاش کیا جاتا ہے۔ رشتہ مل جانے کے بعد لڑکا اور لڑکی کی جنم کنڈلی ملائی جاتی ہے۔ ستاروں' ہاتھوں کی لکیروں اور علمِ نجوم کے ذریعے یہ دیکھا جاتا ہے کہ آیا ان دونوں کی عادات ملتی ہیں یا نہیں۔ اگر دونوں کی عادات میں کوئی خاص فرق نہ ہو تو پھر منگنی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ ''پنجاب کے رسم و رواج کا انسائیکلوپیڈیا'' کے مصنف جنم کنڈلی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ہاتھ کی لکیروں کے علم کے لحاظ سے بھی بے شمار باتیں مدِنظر رکھی جاتی ہیں۔ چنانچہ جس لڑکے کے ہاتھ میں بہت زیادہ یا بہت کم لکیریں ہوں وہ غریب اور قلیل الحیات ہوگا۔ جنم کنڈلیاں موجود ہونا بھی ضروری ہیں اور لڑکا یا لڑکی میں سے کسی کی بھی پیدائش ''منگل راس'' یا مریخ کے جھرمٹ میں نہیں ہونی چاہیے کیونکہ ایسا ہونے کی صورت میں اس کی بیوی/شوہر قبل از وقت مر جائے گی/گا۔''(۱۳)

شبہ گھڑی/مہورت نکالنا: جنم کنڈلی کے بعد اب باری آتی ہے منگنی کے وقت کی۔ اس

کے لیے مہورت نکالا جاتا ہے اور دن' تاریخ اور وقت مقرر کیا جاتا ہے جس میں اس رسم کو پایہ تکمیل تک پہچانا ہوتا ہے۔ اس قسم کا وقت عام طور پر عشاء یعنی شام کا وقت مقرر کیا جاتا ہے جسے ''شام کی سندیا'' کا نام دیا جاتا ہے۔

''ان تمام نکات پر غور کر لینے اور رشتے کا فیصلہ ہو جانے کے بعد تقریب کے لیے کوئی مبارک دن مقرّر کیا جاتا ہے جو پوہ' کاتِک یا چیت کے مہینے میں نہیں ہونا چاہیے جب مریخ اور مشتری ڈوب رہے ہوتے ہیں۔ ''شرادھ'' کے دوران یا ''انانترا'' بھی مناسب نہیں جب زہرہ اور مشتری ایک ہی راس ہوتے ہیں۔''(۱۴)

منگنی کے دن کی تفصیل

ای ڈی میکلیگن نے اپنی کتاب ''پنجاب کے رسم و رواج کا انسائیکلوپیڈیا'' میں ہندوانہ منگنی کے دن کی رسومات کو تفصیل سے بیان کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

''رسم کے لیے مخصوص کردہ دن لڑکے والوں کا ٹولہ لڑکی کے گھر جاتا اور دونوں ٹولے وہاں بیٹھ جاتے۔ برہمن ''منگل چرن'' یا رحمت کی دعائیں پڑھتے اور شری گنیش جی کی مورتی پیتل کی تھالی میں رکھ کر پوجا کی جاتی۔ گنیش جی اور لڑکے والوں پر چاول پھینکے جاتے اور کبھی کبھی سرخ رنگ کا پانی بھی چھڑکا جاتا تھا۔''

ای ڈی میکلیگن نے اس کے علاوہ چند اور رسموں کا بھی ذکر کیا ہے جو منگنی کے دن کی جاتی ہیں:

① **وَاک دَان کی رسم:** ''لڑکی کا سرپرست اعلان کرتا تھا کہ لڑکی' فلاں فلاں کی بیٹی کا رشتہ فلاں فلاں کے بیٹے سے کیا جاتا ہے اسے ''واک دان'' (یعنی منہ سے بولے ہوئے لفظ کے ذریعہ دان) کہتے ہیں اور یہ منگنی کا جوہر ہے۔ اس کے بعد یہ ناقابلِ تنسیخ ہو جاتی ہے اور اسے توڑنے کے خلاف سخت ممانعت عائد ہے۔''

② **ناواں کی رسم:** ''تب لڑکی کا بھائی یا برہمن ایک جنیئو (مقدس دھاگا) پھل' پھول اور کچھ قسم کے کپڑے لڑکے کو دیتے ہیں۔ لڑکی کا (بھائی یا) برہمن لڑکے اور اس کے رشتہ داروں کو تلک لگاتا ہے۔ لڑکے کے والدین اور رشتہ دار برہمنوں کو تحائف دیتے اور ان

میں رقم بانٹتے ہیں جسے ''ناواں'' (نام کرنا) کی رسم کہا جاتا ہے۔''

③ گراہَن دینے کی رسم: ''اس کے بعد لڑکے کو اپنے باپ کے گھر بھیجا جاتا ہے جہاں اسے روٹی، مکھن، کھانڈ اور کھچڑی کا ایک نوالہ دیا جاتا ہے۔ اس رسم کو ''گراہن دینا'' (یعنی لقمے کا تحفہ) کہتے ہیں۔ خواتین بھی بَرادری میں کھچڑی تقسیم کرتی ہیں جو جواب میں تحائف بھجواتے ہیں۔''

منگنی کی اقسام

ہندوؤں میں منگنی کی تین اقسام کا ذکر ملتا ہے ① دھرم یا پُن: جس میں لڑکی کے والدین ایک نیم مذہبی نذرانے کے طور پر اسے مستقبل کے شوہر کو دیتے ہیں۔ ② وَٹّہ سَٹّہ یا تبادلہ: جس میں دو یا زائد خاندان آپس میں بیٹیوں کا تبادلہ کرتے ہیں۔ ③ ٹکّے یا ٹکّیاں دی پچار: منگنی کی یہ قسم جنوب مغربی پنجاب کے علاقوں میں رائج ہے جس کے تحت دلہن کی قیمت کم و بیش اعلانیہ ادا کی جاتی ہے۔

منگنی کی عمر

اگرچہ ہندو مذہب میں منگنی کی کوئی عمر مقرر نہیں کی گئی مگر پھر بھی ہندو معاشرہ نے منگنی کی ایک عمر مقرر کر دی ہے۔ ذیل میں ہم مختلف علاقوں میں رائج منگنی کی عمر کو بیان کرتے ہیں:

> ''منگنی کی جا سکنے کی عمر مقرر نہیں اور یہ مختلف قبائل اور مختلف علاقوں میں مختلف ہے لہٰذا اس حوالے سے کوئی عمومی اصول بیان کرنا ممکن نہیں۔ چنانچہ کیتھل میں راجپوتوں کا کہنا ہے کہ دس سال کی عمر سے پہلے منگنی نہیں ہو سکتی اور دیگر (اور پست) قبائل کی نسبت راجپوتوں میں لڑکی کی شادی کافی بڑی عمر میں کی جاتی ہے حتیٰ کہ کسی راجپوت لڑکی کی منگنی پندرہ یا بیس سال کی عمر میں ہونا عام بات ہے۔ انبالہ میں رُوپڑ کے گوجر منگنی کی کم سے کم عمر پانچ ہفتے بتاتے ہیں۔ بہت سے قبائل کے مطابق زیادہ سے زیادہ عمر چالیس سال ہے، لیکن عموماً یہ پانچ سال سے کم نہیں ہوتی۔ اسی طرح گورداسپور، سیالکوٹ، شاہپور، جہلم، ڈیرہ غازی خان

> اور مظفر گڑھ میں عمر کی کوئی بندش نہیں لیکن اصل رسوم میں حالات کی مناسبت سے بہت تنوع پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ ذاتوں میں متوسّط درجے کی ذاتوں کی نسبت کچھ زیادہ عمر میں منگنی کرنے کا رواج ہے، مثلاً لاہور میں جٹ چار تا چھ سال، راجپوت بارہ تا چودہ سال، شاہ پور کے ہندو آٹھ تا بارہ سال جبکہ جہلم میں دس سال کی عمر سے پہلے منگنی کی جاتی ہے۔ بحیثیت مجموعی مغربی پنجاب میں بیٹیوں کی منگنی کافی چھوٹی عمر میں کر دیتے ہیں (مسلمانوں کے عمومی رواج کی نسبت کہیں پہلے) لیکن عموماً لڑکوں میں منگنی غفوانِ شباب سے قبل نہیں کی جاتی۔ ہندوؤں میں یہ احساس بہت شدت سے پایا جاتا ہے کہ جوان بیٹی کا غیر شادی شدہ ہونا والدین کے لیے سخت بے عزتی کی بات ہے۔ پنجاب بھر میں قبل از پیدائش منگنی خلافِ معمول تو ہے لیکن غیر معلوم نہیں۔''[۱۵]

منگنی کی پاسداری

ایک دفعہ منگی کی رسم ادا ہو جانے کے بعد اس رسم سے انحراف کرنا اور اس کی پاسداری نہ کرنا جائز نہیں ہے۔ منو مہاراج اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''زمانہ قدیم اور دور حاضر کے نیک لوگوں میں سے کسی نے (یہ) کام نہیں کیا کہ ایک شخص کو (بیٹی دینے کا) وعدہ کرنے کے بعد دوسرے کو دے دی ہو۔''[۱۶]

تنسیخِ منگنی کے چند اسباب

ہندومت میں عمومی قاعدہ تو یہی ہے کہ ایک دفعہ منگنی ہو جائے تو پھر اس کی پابندی لازمی ہو جاتی ہے، مگر پھر بھی بعض ایسے اسباب ہیں جن کی وجہ سے منگنی منسوخ کی جا سکتی ہے، مثلاً

> ''کسی منگنی کو توڑنے کی معقول وجوہ مرکزی طور پر جسمانی نوعیت کی ہیں (مثلاً کوڑھ، نامردی، اندھا پن یا کسی بھی فریق کا ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو جانا)۔ عموماً لڑکی کی بد اخلاقی بھی ایک ٹھوس وجہ ہے۔ اصولی طور پر لڑکے کی بد اخلاقی کو رشتہ توڑنے کی جائز وجہ نہیں سمجھا جاتا۔ عمومی لحاظ سے بات کی جائے تو لڑکے سے زیادہ لڑکی کے رشتہ داروں کو معاہدہ منگنی کا پابند خیال کیا جاتا ہے

یہاں تک کہ لاہور کے جٹوں کے ہاں یہ اصول اپنی انتہا پر ہے اور کہتے ہیں کہ لڑکا جب چاہے منگنی توڑ سکتا ہے' لیکن لڑکی کو یہ حق حاصل نہیں۔ منگنی منسوخ ہونے کی دیگر وجوہ بھی بیان کی جاتی ہیں مثلاً یہ انکشاف ہونا کہ لڑکا یا لڑکی ممنوعہ رشتہ داری کی حدود میں آتے ہیں یا یہ کہ ان کا تعلق مختلف قبیلوں سے ہے اور تبدیلی مذہب بھی اسے منسوخ کرنے کی جائز وجہ ہے۔''(۱۵)

منگنی منسوخ کرنے کی رسومات

جب ان اسباب میں سے کوئی پایا جائے تو منگنی کو منسوخ کیا جا سکتا ہے مگر اس کے لیے بھی چند رسمیں مخصوص کی گئی ہیں:

① **پانی پلاون:** جب لڑکے یا لڑکی کو قریب المرگ سمجھ لیا جائے تو مندرجہ ذیل رسم کے ذریعہ جوڑے کا بندھن توڑا جاتا ہے۔ مظفر گڑھ میں اس رسم کو ''پانی پلاون'' کہتے ہیں۔ لڑکے کو لڑکی کے بستر مرگ کے پاس بلا کر سرہانے والی طرف کھڑا کیا اور پانی پلایا جاتا ہے۔ لڑکی بھی پانی پیتی ہے اور تب لڑکا کہتا ہے ''تم میری بہن ہو'' یقیناً اس سے منگنی ٹوٹ جاتی ہے' لیکن مریضہ کی صحت بحال ہو جانے پر بندھن دوبارہ قائم ہو جاتا ہے۔

② **متھے لگاون:** منگنی منسوخ کرنے کے لیے بہاولپور کی ملحقہ ریاست میں ایک بالکل ایسی ہی رسم ''متھے لگاون'' رائج ہے۔ چنانچہ اگر لڑکی کی موت کے دہانے پر ہو تو لڑکا اس کے پاس جا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اسے کچھ مٹھائی دیتا اور کہتا ہے ''ہاں کا کی مٹھائی کِھن''۔ اور جواب میں لڑکی کے لیے یہ کہنا ضروری ہے ''لیا بھراوا''۔ اس طرح منگنی ٹوٹ جاتی ہے لیکن اگر بیمار لڑکی صحت یاب ہو جائے اور جوڑے کے والدین رشتہ بحال کرنے پر مان جائیں تو منگنی کی رسوم دوبارہ سے انجام دی جاتی ہیں۔(۱۸)

شادی کی عمر

لڑکا اور لڑکی کی عمر کی بنا پر شادی کے تین درجے بنائے گئے ہیں۔ ایک ادنیٰ درجہ' ایک درمیانہ درجہ اور ایک اعلیٰ درجہ۔ اگر لڑکی کی عمر لڑکے کی عمر کا تیسرا حصہ ہو تو ہندومت میں وہ شادی سب سے اعلیٰ تصور کی جاتی ہے۔ دیانند سرسوتی فریقین کی عمر

کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''سولہویں برس سے لے کر چوبیسویں برس تک لڑکی اور پچیسویں برس سے لے کر اڑتالیسویں برس تک مرد کی شادی کا وقت اچھا ہے۔ ان میں سے جو سولہ برس اور پچیس برس میں بیاہ کرے تو ادنیٰ درجہ کا' اگر اٹھارہ بیس برس کی عورت اور تیس' پنتیس یا چالیس برس کا مرد ہو تو درمیانہ درجہ کا اور اگر چوبیس برس کی عورت اور اڑتالیس برس کے مرد کا بیاہ ہو تو اعلیٰ درجہ کا ہے۔''(۱۹)

منو مہاراج نے بھی لڑکا لڑکی کی شادی کی مناسب عمر کا تذکرہ کیا ہے:

''تیس برس کی عمر کا لڑکا اور بارہ برس کی دختر لخت جگر کا وواہ کرے یا چوبیس برس کا لڑکا اور آٹھ برس کی لڑکی کا وواہ کرے' یہ مناسب ہے۔''(۲۰)

اے ایل باشم فریقین کی عمر کے بارے میں تفصیلی بحث کرتے ہیں:

''اگرچہ قدیم زمانے میں شادی سے پہلے لڑکی کا پوری طور پر بالغ ہو جانا ضروری تھا' لیکن سمرتیوں میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ شوہر کی عمر کم سے کم بیس سال ہونی چاہیے اور لڑکی کی شادی بلوغ سے کچھ قبل کر دینی چاہیے۔ ہندو کٹر پن اس قدر اولاد پرست ہو چکا تھا کہ اس نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ اگر کوئی باپ اپنی لڑکی کی شادی اس کے پہلے حیض سے پہلے نہیں کرتا تو وہ اسقاط حمل کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے (یہ بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا اور قتل کے بہت سے اقسام سے بھی بدتر تصور کیا جاتا تھا) اور جب تک وہ اپنی لڑکی کی شادی نہ کر دیتا اس وقت تک وہ اتنے ہی اسقاطِ حمل کے جرم کا مرتکب سمجھا جاتا تھا جتنے اس لڑکی کے حیض ہوتے۔ عام طور پر وہ شادی بہت اچھی سمجھی جاتی تھی جس میں لڑکی کی عمر لڑکے کی عمر کا تہائی ہوتی تھی۔ اس طرح چوبیس سال کے لڑکے کو آٹھ سال کی لڑکی سے شادی کرنی چاہیے۔''(۲۱)

کم سنی کی شادی

ہندو معاشرہ میں لڑکی کے بالغ ہونے سے قبل اس کی شادی کر دینے کا رواج موجود ہے۔ لوگ اپنی بیٹیوں کی شادی کم سنی ہی میں کر دیتے تھے' مگر کم سنی کی شادی کے حوالے سے ان کی مذہبی کتابوں میں کوئی واضح حکم موجود نہیں ہے۔ اے ایل باشم نے

کم سنی کی شادی پر تبصرہ کیا ہے جو درج ذیل ہے:

''جہاں تک بچپن کی شادی کا تعلق ہے جو بعد کے آنے والے دور میں فارغ البال خاندانوں میں عام ہوگئی تھی اس کا مذہبی کتب میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ بات بہت مشکوک ہے کہ عہد وسطیٰ تک لڑکیوں کی بچپن کی شادی بالکل عام ہوچکی تھی۔ افسانہ وشعر کی جو ہیروئنیں ہیں وہ بظاہر اپنی شادی کے وقت پوری جوان ہوتی تھیں اور متعدد ایسے کتبات جو اپنے دور کے رسوم ورواج پر روشنی ڈالتے تھے' بچپن کی شادی کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے۔ قدیم ہندوستان کے ماہرینِ طب یہ بتاتے ہیں کہ سولہ سال سے زائد کی مائیں بہترین بچے پیدا کرتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچپن کی شادی کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اس کو ناپسند کرتے ہیں۔''(۴۲)

جان ڈی مین اپنی کتاب ''قانون ورواجِ ہنود'' میں کم سنی کی شادی کو تفصیل سے زیر بحث لاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کن کن علاقوں اور کن کن ذاتوں میں کم سنی کی شادی کا رواج تھا اور آج کل یہ رسم کہاں پائی جاتی ہے:

''تمام قدیم مصنّفین بہ اصرار اس کی ہدایت کرتے ہیں کہ بالغ ہونے سے قبل لڑکی کی شادی کردینا چاہیے۔ جو باپ ایسا نہ کرے وہ گناہِ قطع رحم کا مرتکب ہوتا ہے یعنی وہ ان بچوں کی پیدائش میں حائل ہوتا ہے جو اس لڑکی سے پیدا ہوسکتے تھے۔ گوتم کے بیان کے مطابق اگر کوئی لڑکی شادی کے قابل ہونے کے باوجود تین ماہ تک یونہی رہے تو اس کو اختیار حاصل ہوجاتا ہے کہ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے لیے شوہر منتخب کرلے۔ منو' بودھاپن اور وشت یہ کہتے ہیں کہ وہ تین سال تک انتظار کرے اگر وہ خود شوہر کا انتخاب کرلے تو وہ اپنے ساتھ ان زیورات کو نہیں لے جاسکتی جو اس کے باپ یا ماں یا بھائیوں نے دیے ہوں۔ جنوبی ہند کے برہمنوں اور اونچے واوسط درجے کے لوگوں میں کم سن بچوں کی شادی کا رواج مسلّم ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ رواج ان لوگوں میں ہے جو اپنے آپ کو اصلی ہندو کہتے ہیں۔ نیچے کے فرقوں میں عام طور پر کم سنی کی شادی ضروری نہیں ہے' لیکن اس معاملے میں اعلیٰ فرقوں کی تتبع سال بہ سال ان لوگوں

میں زیادہ پھیل رہی ہے۔ پنجاب میں اس قسم کی شادیاں شاذ ہیں...... بنگال کے صرف مغربی نصف ملک (یعنی بہار اور مغربی بنگال) میں کم سن لڑکیوں کی شادی ایک واجبی حد تک پائی جاتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ڈراویڈی قبائل کے ان لوگوں میں یہ طریقہ رائج نہیں جو بلحاظ معاشرت ہندو ہیں۔ برہما میں اس قسم کی شادی رائج نہیں ہے۔''(۴۳)

کم سنی کی شادی کا سبب

اے ایل باشم نے اپنی کتاب میں ان اسباب کو بیان کیا ہے جن کی وجہ سے ہندوؤں میں کم سنی شادی کا رواج عام ہوگیا اور انہوں نے مذہبی قانون کی بھی پاسداری نہیں کی:

''بچپن کی شادی کے رواج کی نشونما کے یقینی اسباب بیان نہیں کیے جاسکتے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے خوف نے والدین کو مجبور کیا کہ وہ اپنی لڑکیوں کی شادی بچپن ہی میں کردیں اور اپنی بیویوں کو مزید سختی سے گھروں میں مقید کریں' لیکن یہ دونوں طریقے مسلمانوں سے قبل بھی تھے اس لیے صرف یہی بچپن کی شادی کا سبب نہیں ہوسکتا۔ ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مذہب نے افزائش نسل پر بڑا زور دیا لیکن یہ عقیدہ ہر زمانے میں بڑا مضبوط تھا۔ ہندوستانی کردار کی جنسیت نے بھی اس میں اپنا حصہ ادا کیا ہے۔ عورت کے بارے میں عام خیال یہ تھا کہ وہ فطری طور پر شہوت پرست ہوتی ہے۔ ایک غیر شادی شدہ لڑکی جو اپنے بلوغ کے قریب ہے اپنا کوئی چاہنے والا تلاش کرلے گی۔ اس کے والدین خواہ وہ کتنی ہی نظر اس پر کیوں نہ رکھیں' اگر وہ اپنی دوشیزگی سے محروم ہوجاتی تھی تو وہ شادی کے قابل نہیں رہتی تھی اور والدین کے حصے میں بے عزتی آئے گی اور انہیں ایک غیر معیّنہ مدّت تک ایک غیر شادی شدہ لڑکی کے اخراجات برداشت کرنے پڑیں گے یا اس سے زبردست بے عزتی ہوگی کہ وہ اس کو نکال دیں پھر وہ بھکاری بن جائے گی یا کوئی پیشہ ور طوائف۔ والدین کے نقطہ نظر سے ایک لڑکی بڑی معاشی ذمہ داری ہوتی تھی۔ تخیّل نے بھی بچپن کی شادی کی ہمت افزائی کی ہوگی۔''(۴۴)

بعض ہندو مذہبی کتابوں میں صراحتاً بچپن کی شادی کو تکلیف کا ذریعہ اور بے فائدہ قرار دیا ہے اور اس کا سبب بھی بیان کیا ہے۔ مثلاً دیانند سرسوتی لکھتے ہیں:

''جب عورت مرد بیاہ کرنا چاہیں تب علم' انکساری' سیرت' شکل' عمر' طاقت' خاندان اور جسم کا اندازہ وغیرہ بطریق مناسب ہونا چاہیے۔ جب تک ان کا میل نہیں ہوتا تب تک بیاہ میں کچھ راحت نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی بچپن میں بیاہ کرنے سے راحت ہوتی ہے ......آٹھ' نو اور دسویں برس میں بھی بیاہ کرنا بے فائدہ ہے کیونکہ سولہویں برس بعد چوبیس برس تک بیاہ کیا جاوے تو عورت کا رحم پورا اور جسم بھی طاقتور ہوگا اور طاقتور مرد کے پُختہ نُطفہ سے اولاد عمدہ ہوگی جیسے آٹھ برس کی لڑکی سے اولاد کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔''(۲۵)

ماقبل بیان کیے گئے کم سنی کی شادی سے متعلق تمام اقتباسات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بچپن کی شادی سے متعلق مذہب اور معاشرہ میں تضاد پایا جاتا ہے۔ مذہب نے بچپن کی شادی کو تکلیف کا ذریعہ قرار دے کر غیر مناسب قرار دیا ہے اور اسے لڑکا اور لڑکی کی جسمانی حالت کے بگاڑ کا سبب ظاہر کیا ہے' مگر دوسری طرف معاشرہ میں بچپن کی شادی کو رواج دے کر عام کیا گیا ہے اور اس کی وجہ لڑکی کی عزت کی حفاظت کو قرار دیا گیا ہے۔

بچپن میں منگنی اور بعد از بلوغت رخصتی

بعض ہندوؤں نے بچپن کی شادی کے بارے میں ایک درمیانی توجیہہ یہ نکالی ہے کہ بچپن میں صرف منگنی اور نسبت طے کی جاتی تھی' جبکہ رخصتی اور مباشرت بلوغت کے بعد ہوتی تھی۔ جان ڈی مین نے اس توجیہہ کو اپنی کتاب ''قانون و رواج ہنود'' میں بیان کیا ہے کہ ہندوستان کے بعض علاقوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ بچپن میں صرف منگنی ہوتی اور رخصتی بعد میں ہوتی تھی۔ مصنف نے اس رسم کو 'مکلاوا'' کا نام دیا ہے۔

''دوسرے مقامات میں ایسی شادی جو بچوں کے مابین ہو محض ایک منگنی ہے جو مسترد نہیں کی جا سکتی۔ اس کے بعد مزید رسوم بالغ ہونے پر ادا کیے جاتے ہیں جنہیں مکلاوا کہا جاتا ہے.....بعض مرتبہ باپ اپنے لڑکے کے لیے دوسرے شخص

کی لڑکی پیدا ہوتے ہی بات چیت کرتا ہے اور وہ دونوں شادی شدہ متصور ہوتے ہیں لیکن یہ انتظام منگنی سے زیادہ نہیں ہے' جبکہ بلوغ سے قبل مباشرت کی اجازت نہیں ہے۔''(۲۶)

کم سنی کی شادی کی صورت میں فریقین کو خیارِ بلوغ

جان ڈی مین نے بچپن کی شادی کے ایک اور پہلو کو بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ بچپن میں شادی کی صورت میں فریقین کو بالغ ہونے کے بعد اختیار حاصل ہوگا کہ اگر وہ چاہیں تو اس بیاہ کو جاری رکھیں جوان کے والدین نے کیا تھا اور اگر کسی ایک کو بھی اعتراض ہو تو وہ اس بیاہ کے معاہدہ کو ختم کر سکتے ہیں۔ اس اختیار کو اسلامی اصطلاح میں ''خیارِ بلوغ'' کہا جاتا ہے۔

''بعض مرتبہ باپ اپنے لڑکے کے لیے دوسرے شخص کی لڑکی پیدا ہوتے ہی بات چیت کرتا ہے اور دونوں شادی شدہ متصور ہوتے ہیں لیکن یہ انتظام منگنی سے زیادہ نہیں ہے۔ بلوغ سے قبل مباشرت کی اجازت نہیں ہے اور حقیقی فریقین اگر چاہیں تو اس انتظام کو بحال رکھنے سے انکار کر سکتے ہیں جوان کے والدین نے کیا تھا۔''(۲۷)

والدین کی رضامندی

باقی مذاہب کی طرح ہندومت میں بھی شادی کے لیے سب سے ضروری چیز لڑکا اور لڑکی کی رضامندی ہے' جبکہ والدین کی رضامندی کا ہونا مناسب اور اچھا شگن خیال کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر والدین راضی نہ ہوں تو پھر شادی نہیں ہوگی۔ بیاہ میں اصل اہمیت اور بیاہ کا سارا دارومدار دُلہا و دلہن کی رضامندی پر موقوف ہے۔ دیانند سرسوتی اس بارے میں لکھتے ہیں:

''لڑکا اور لڑکی کے اختیار میں بیاہ کا ہونا افضل ہے۔ اگر ماں باپ بیاہ کرنا کبھی سوچیں تو بھی لڑکا لڑکی کی رضامندی کے بغیر نہ ہونا چاہیے' کیونکہ ایک دوسرے کی رضامندی سے بیاہ ہونے میں رنجیدگی بہت کم پیدا ہوتی ہے اور اولاد عمدہ

ہوتی ہے۔ بلا رضامندی کے بیاہ میں ہمیشہ تکلیف ہی رہتی ہے۔ بیاہ میں خاص تعلق لڑکے لڑکی کا ہے' ماں باپ کا نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ان میں باہم خوشی رہے تو انہی کو راحت اور رنجیدگی میں انہی کو دکھ ہوتا ہے۔''[۲۸]

منو کے نزدیک والدین کی رضامندی لازمی نظر آتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اس کا باپ یا باپ کی اجازت سے بھائی جس کے ساتھ بھی بیاہ دیں وہ موت تک اس کی خدمت کرے گی۔ اس کے مرجانے کے بعد (اس کی یاد کی بھی) ہرگز توہین نہ کرے گی۔''[۲۹]

ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتے ہیں کہ ہندودھرم میں عورت کی شادی کا فیصلہ ہمیشہ والدین ہی کرتے ہیں اور وہ اس پر مجبور ہوتی ہے:

''ہندوعورت کے لیے شادی کے سوا کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔ پیدا ہونے کے ساتھ ہی ماں باپ اس کے لیے شوہر تجویز کردیتے ہیں جو اس کی قسمت کا مالک ہوگا۔ اب گویا وہ اس شخص کی ملک ہوگئی اور خواہ وہ شوہر بدشکل ہو' ظالم ہو' بے رحم ہو' اس بے چاری عورت کی شادی اسی کے ساتھ ہوگی اور اگر نہ ہوئی تو وہ کہیں کی نہ رہے گی۔''[۳۰]

والدین کی شادی میں رضامندی کے حوالے سے روایات دو طرح کی ہیں: ① والدین کی رضامندی ضروری نہیں' بلکہ زوجین کی رضامندی کا اعتبار ہوگا۔ ② فریقین کی نہیں' بلکہ والدین کی رضامندی ضروری ہے۔ اب ان دونوں قسم کی روایات کو ہم اس طرح تطبیق دے سکتے ہیں کہ پہلے زمانے میں تو فریقین کی رضامندی کو ضروری سمجھا جاتا تھا مگر موجودہ دور میں والدین کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جس کے ساتھ مرضی چاہیں' بیاہ کر دیں اور لڑکی کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ وہ اس سے انکار کرے۔ ''تاریخ تمدنِ ہند'' میں بھی یہی توجیہہ بیان کی گئی ہے:

''رگ وید کے زمانے میں جب زندگی بہت سادہ ہوتی تھی اور دنیاوی اغراض کم' تو رفیق زندگی منتخب کرنے کا اختیار لڑکی کو تھا۔ یہ اختیار بہت جلد اس سے لے لیا گیا اور خاندان والے اپنا فائدہ دیکھ کر رشتے جوڑنے لگے۔''[۳۱]

شادی کے لیے مہورت نکالنا

سگائی (منگنی) کی طرح ہندو اپنی شادیوں کے لیے بھی مہورت نکالتے ہیں۔ اس سے شادی کے لیے مناسب اور موزوں وقت کا تعین کیا جاتا ہے۔ ہندو معاشرہ میں مہورت کے بغیر شادی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ مہورت نکالنے کو بہت اہم اور ضروری تصور کرتے ہیں۔ مہورت کے بارے میں ارتھ ''سنسکار ودھی'' میں ملتا ہے:

''اترائین شُکل کپش اچھے دن یعنی جس روز سب طرح سے خوشی اور آنند ہو' اسی دن شادی کرنی چاہیے۔''[۳۲]

مصنف اس ارتھ کو بیان کرنے کے بعد بڑے افسوس سے کہتے ہیں کہ مہورت نکالنے والے مہورت نکالتے وقت یہ خیال نہیں کرتے کہ جن کا مہورت نکالا جارہا ہے وہ مناسب عمر' اوصاف' تندرست اور باہم رضامند ہیں بھی یا نہیں۔ اور مہورت نکالنے والے اپنے پیسے کمانے کے لیے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ابھی شادی کے لیے کوئی مناسب وقت نہیں ہے۔ اس کا مقصد پیسے بٹورنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔[۳۳]

مہورت ضروری نہیں ہے

ہندو معاشرہ نے تو مہورت کو اپنی شادیوں کا لازمی جزء بنا لیا ہے حالانکہ یہ مذہباً کوئی ضروری نہیں ہے۔ سنسکار ودھی کا ایک اور ارتھ ملاحظہ کریں:

''کتنے ہی آچاریوں کی یہ رائے ہے کہ سَب کَال (ہر وقت) میں وواہ کرنا چاہیے۔''[۳۴]

دیانند سرسوتی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ مہورت نکالنا ضروری نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مہورت نکالنا ضروری ہوتا تو پھر اس (بیان کردہ) ارتھ کا کیا مطلب ہوتا۔ مصنف یہ بھی بیان کرتا ہے کہ مہورت اس لیے نکالا جاتا ہے تاکہ چاندی رات اور مناسب موسم کا تعین کیا جائے اور جو لوگ دولت مند ہیں وہ یہ سب خود بھی کر سکتے ہیں لہٰذا وہ جب چاہیں بیاہ کر سکتے ہیں۔

شادی کے دن کی تفصیل

اس سے پہلے ہم نے منگنی اور شادی سے متعلق چند قوانین کا جائزہ لیا اب ہم یہاں سے شادی کے دن کو تفصیل اور ترتیب سے بیان کرتے ہیں:

بارات کا دلہن کے گھر جانا

شادی کے دن دُلہا تیار ہو کر اپنے باراتیوں کے ساتھ دلہن کے گھر جاتا ہے اور دلہن کے رشتہ داران کا استقبال کرتے ہیں اور ان کی خاطر مدارت کرتے ہیں۔

''دُلہا لباس فاخرہ میں ملبوس ہو کر اپنے اقارب واحباب کی معیت میں دُلہن کے گھر جاتا ہے اور وہاں دلہن کا باپ ''مدھو پرک'' سے اس کی تواضع کرتا تھا۔ یہ شہد اور دہی سے مرکب ایک مبارک مشروب تصور کیا جاتا تھا۔''(۳۵)

دیانند سرسوتی نے بارات کے استقبال کو تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دُلہا بارات لے کر دلہن کے گھر پہنچے تو دلہن اور دلہن کے ماتا پتا (ماں باپ) اور دوسرے رشتے داران کا استقبال کریں اور دُلہا کے لیے جو مخصوص کرسی تیار کی گئی ہے اس پر اسے بیٹھائیں۔ پھر دُلہا کے پاؤں اور منہ کو دھلوایا جائے۔ پھر دُلہا کو پینے کا پانی پیش کیا جائے۔ اس کے بعد ''مدھو پرک'' دُلہا کو بھی دیا جائے اور اس کے ساتھ آنے والے براتیوں کو بھی پیش کیا جائے۔(۳۶)

دیانند سرسوتی نے ''مدھو پرک'' کے اجزاء کو بھی بیان کیا ہے:

''مدھو پرک کے اجزاء گھی، دہی اور شہد —— ۱۲ تولہ دہی میں ۴ تولہ گھی اور ۴ تولہ شہد ڈالنے سے مدھو پرک تیار ہو جاتا ہے۔ اس مدھو پرک کو کانسی کے برتن میں رکھنا چاہیے۔''(۳۷)

منڈپ میں شادی

ہندو مذہب میں شادی ایک خیمہ میں کی جاتی ہے جو لڑکی کے گھر کے صحن میں بنایا جاتا ہے اور اسے ہندو اصطلاح میں ''یگیہ منڈپ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اے ایل باشم

اس منڈپ کے متعلق لکھتے ہیں:

''عام طور پر شادی کی تقریب ایک خیمہ کے اندر انجام پاتی تھی۔ یہ خیمہ مکان کے صحن میں لگایا جاتا تھا۔ دُلہا اور دلہن الگ الگ اس خیمہ میں داخل ہوتے تھے اور ایک چھوٹے سے پردے کے دونوں طرف بیٹھ جاتے تھے۔ اس تقریب کو انجام دینے والا برہمن مقدس منتر پڑھتا تھا اور اسی کے ساتھ ہی درمیانہ پردہ ہٹا دیا جاتا تھا۔ اب دُلہا دلہن ایک دوسرے کو دیکھتے تھے۔ اکثر یہ پہلی دید ہوتی تھی۔''(۳۸)

اَگنی/آگ بطور گواہ

منڈپ میں اَگنی کا ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ ہندو مذہب میں شادی کے موقع پر آگ کو گواہ بنایا جاتا ہے اور اس آگ کے لیے قیمتی لکڑی اور قیمتی گھی وغیرہ استعمال کیا جاتا ہے۔

''کاریہ کرتا یا دوسرا کوئی اور یگیہ منڈپ میں جا کر کنڈ کے نزدیک ہو کر لکڑی، مشک، کافور اور گھی وغیرہ سے آگ شعلہ زن کرے اور آہوتی کے لیے خوشبویات ملایا ہوا گھی آگ پر گرم کر کے کانسی کے برتن میں ڈال رکھے۔''(۳۹)

پانی گرہن یا ہاتھ پکڑنے کی رسم

جب دُلہا دلہن منڈپ میں بیٹھے ہوں تو اس وقت پانی گرہن کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ دُلہا منتر پڑھ کر دلہن کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو بتایا جا سکے کہ دُلہا اپنی بیوی کو بہت عزت دیتا ہے۔ دیانند سرسوتی اس رسم کی اہمیت اُجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ پانی گرہن یا ہاتھ پکڑنے کے چھ منتر ہیں۔ یہ رسم جو کہ شادی کا نشان سمجھی جاتی ہے، کسی نہ کسی شکل میں دنیا کی تمام قوموں میں پائی جاتی ہے (اس رسم کو ادا کرتے وقت چھ منتر پڑھے جاتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:) اے پیاری ہر ایک قسم کے جاہ وحشمت والا میں تیرے ہاتھ کو گرہن کرتا ہوں اور دھرم کے راستے پر چلانے والا میں تیرے ہاتھ کو پکڑ چکا ہوں (یعنی تجھے اپنی دھرم پتنی بنا کر تجھے

سویکار کر چکا ہوں) تو دھرم سے میری پتنی (زوجہ) اور میں دھرم سے تیرا گرہ پتی (خاوند) ہوں۔''(۴۰)

دلہن کا پتھر پر پاؤں رکھنا

پانی گرہن کی رسم کے بعد لڑکی کا بھائی اپنے بہن کا پاؤں پکڑ کر پتھر کے سِل پر رکھواتا ہے اس کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے فرائض کو بخوبی سرانجام دے گی:

''دلہن کو پتھر کی شلا (سِل) پر کھڑا کرانے اور اس منتر کے بولنے کا یہی بھاؤ ہے کہ وہ اپنے فرائض کو سرانجام دینے میں چٹان کی طرح مضبوط ارادہ والی ہوگی اور زندگی کی جدوجہد میں جو جو رکاوٹیں اس کے سامنے آئیں وہ ان کو پورے حوصلے، استقلال اور زبردست قوت ارادی سے دور کرے۔''(۴۱)

اس کا طریقہ یہ ہے کہ دلہن کی ماں یا بھائی دائیں ہاتھ سے لڑکی کا دایاں پاؤں اٹھوا کر پتھر کی سِل پر رکھوائے اور یہ منتر پڑھے:

''اے دیوی: اس پتھر کے اوپر چڑھ کر اس پتھر کی طرح تو دھرم کے کاموں میں درڑھ (مستقل مزاج) ہو۔ برے جذبات کی ترغیبوں کو دبا کر بڑے مضبوط ارادہ سے قائم ہو۔''(۴۲)

دُلہا دلہن کا تنہائی میں ملنا

ان رسموں کو ادا کرنے کے بعد دُلہا اپنی دلہن کو تنہائی میں ملتا ہے۔ اس رسم کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ دلہن نے اتنے سال اپنے ماں باپ کے گھر گزارے اور اب ان کو الوداع کہتے ہوئے وہ بہت دکھی ہوگی اس لیے دُلہا تنہائی میں مل کر اس کو اپنی وفاداری کا احساس دلائے اور اسے یقین دلائے کہ وہ اسے خوش رکھے گا:

''جس لڑکی نے سولہ سترہ سال تک جس گھر اور جن رشتہ داروں میں رہ کر پرورش پائی، آج وہ اس گھر کو ایک طرح سے ہمیشہ کے لیے الوداع کہنے کو ہے۔ اس علیحدگی پر قدرتی طور پر اس کے دل پر کتنا غیر معمولی اثر ہوتا ہے۔ گھر والوں کے پریم کی اس قدرتی زبردست کشش سے علیحدہ ہوتے وقت جس قدر صدمہ اسے پہنچے گا۔ اس کا خیال کر کے اور علیحدگی میں لے جا کر اسے تسلی دیتا ہے اور کہتا ہے

کہ میرے پاس تجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی اور میں تمہاری ہر طرح سے خبر گیری کروں گا اور تجھے خوش و خرم رکھنے کے لیے کوئی بات اٹھا نہ رکھوں گا۔''(۴۳)

دُلہا دلہن کے کپڑوں کو گرہ لگانا

ہندو شادی کی ایک رسم یہ بھی ہے کہ وہ ان کے کپڑوں کو گرہ لگا کر یہ تصور دیتے ہیں کہ یہ اس گرہ کی طرح پیار میں بھی مضبوطی سے بندھے رہیں گے اور ان کا پیار کبھی ختم نہیں ہوگا۔

''اس موقعہ ور (دُلہا) کے اُپ وستر (دوپٹہ، صافہ وغیرہ) کے ساتھ دلہن کے اُتر یہ وستر (سالو، چادر، دوپٹے وغیرہ) کی گانٹھ دینی چاہیے۔''(۴۴)

کنیا دان کرنا

جب یہ تمام رسمیں ادا ہو جاتی ہیں تو دلہن کا باپ یا بھائی لڑکی کو رسماً لڑکے کے ہاتھ میں دیتے ہوئے یہ عہد لیتا ہے کہ وہ ہر حالت میں اس کا خیال رکھے گا۔ اس رسم کو کنیا دان کرنا یا ''سپت پدی کی رسم'' بھی کہتے ہیں:

''دلہن کا باپ آگے بڑھتا ہے اور رسمی طور پر اپنی لڑکی دُلہا کے حوالے کر دیتا، جو یہ وعدہ کرتا کہ وہ اس کے ساتھ زندگی کے روایتی سہ گانہ مقاصد کی تکمیل میں کوئی بے وفائی نہیں کرے گا یعنی پاکبازی، دولت اور مسرّت۔''(۴۵)

اَگنی کے گرد پھیرے لینا

ہندو شادی کی سب سے اہم اور ضروری رسم ''اگنی کے گرد پھیرے لینے'' کی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگنی کو گواہ مان کر اس کے گرد سات پھیرے لیے جاتے ہیں ان میں سے چار میں مرد آگے ہوتا ہے اور باقی تین میں لڑکی آگے ہوتی ہے۔ یہ پھیرے اصل میں سات عہد ہیں جو وہ ایک دوسرے سے کرتے ہیں:

''۱۔ اناج وغیرہ کے لیے تو ایک پاؤں چلی
۲۔ بل حاصل کرنے کے لیے دو پیر چلی
۳۔ دھن اور علم کی ترقی کے لیے تین پاؤں چلی

۴۔سکھ حاصل کرنے کے لیے چوتھا پاؤں چلی
۵۔سنتان کی پرورش کے لیے پانچواں پاؤں چلی
۶۔موسموں کے مطابق سب کام کاج کرنے کے لیے چھٹا پاؤں چلی
۷۔رشتہ محبت قائم کرنے کے لیے ساتواں پاؤں چلی۔''[۴۶]

ان پھیروں کا طریقہ کار ''اے ایل باشم'' نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے:

''پھر آگ میں گھی اور چاول ڈالے جاتے اور جب دلہن یہ جنس آگ میں ڈالتی ہوتی تھی تو دُلہا اس کے ہاتھ پکڑ لیتا تھا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے آگ کا طواف کرتی۔اس حالت میں عام طور سے دونوں کے دامن کے گوشے ایک دوسرے سے بندھے ہوتے تھے۔اس کے بعد وہ چکّی کے پاٹ پر چلتی پھر دونوں ایک ساتھ سات قدم چلتے۔دلہن کے ہر قدم کے نیچے تھوڑا سا چاول ہوتا تھا۔پھر ان دونوں پر مقدس پانی چھڑکا جاتا اور اس طرح اس تقریب کا خاص حصہ انجام پذیر ہوتا۔''[۴۷]

آشیرباد لینا

پھیروں کے بعد شادی اپنے پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے۔اس لیے پھیروں کے بعد دُلہا دلہن اپنے والدین سے پیار اور دعائیں لیتے ہیں جن کو ہندو اصطلاح میں ''آشیرباد'' کہا جاتا ہے:

''دونوں کے باپ مندرجہ ذیل الفاظ میں لڑکی کو آشیرباد دیتے ہیں ''تم اپنے شوہر سے ویسے ہی رہنا جیسی سیتا' رام کے لیے۔رکمنی' کرشن کے لیے۔دموری' راون کے لیے۔سچی' اندر کے لیے تھی۔''[۴۸]

قطب ستارہ دیکھنا

ہندو شادیاں عموماً شام یا رات کے وقت ہوتی ہیں اس لیے کہ ان کی شادیوں میں ایک رسم ستارہ دیکھنے کی بھی ہوتی ہے اور ستارہ رات کو ہی دیکھا جا سکتا ہے۔یہ قطب ستارہ وفا کی علامت مانا جاتا ہے اس لیے دُلہا و دلہن اس کو دیکھ کر وفاداری کا عہد کرتے ہیں۔ہندو اصطلاح میں اس تارے کا نام ''اروندھتی ستارا'' ہے۔

''اے اروندھتی تارے! جیسے تو سپت رشی تاروں کے نزدیک ہمیشہ رکا ہوا ہے

ویسے میں بھی......(پتی کا نام) نام والے کی......(یہاں کنیا اپنا نام لے) نام والی اپنے پتی کے نیم میں رک گئی۔''[۴۹]

شادی کی چند معاشرتی رسومات

اس سے پہلے ہم نے جن رسومات کا تذکرہ کیا وہ سب مذہبی رسومات تھیں اور اب چند ان معاشرتی رسومات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کو ہندو شادیوں میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور ان کے بغیر وہ اپنی شادیوں کو مکمل تصور نہیں کرتے۔''پنجاب کے رسم و رواج کا انسائیکلوپیڈیا'' کے مصنف نے[۵۰] بڑی تفصیل سے ان رسومات کو بیان کیا ہے۔ہم ان میں سے چند کو بیان کرتے ہیں:

① **پیڑا:** ''یہ شادی کی اولین رسوم میں سے ایک رسم ہے۔''پیڑا'' باریک پیسی ہوئی ماش یعنی ''پیٹھی'' سے بنایا جاتا ہے۔دلہا ایک لکڑی کی تھال پر بیٹھتا ہے اور مرکزی دیوتاؤں کی مدد مانگی جاتی ہے۔بالخصوص دولت کی دیوی سے جس کی شبیہہ موجودہ دور کے ایک سکّے پر بنی ہے۔یہ سکّہ ہر ایک رسم میں استعمال ہوتا اور بہ احتیاط سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔شادی کے بعد آٹے سے ان دیویوں اور دیوتاؤں کی مورتیاں بنائی جاتی ہیں۔''پیٹھی'' اور اس سے بنی ہوئی ایک مٹھائی تمام رشتہ داروں اور دوستوں کے درمیان تقسیم کرتے ہیں۔''

② **مائیاں:** ''دلہا معمول کی مذہبی رسمیں ادا کر لے تو اسے لکڑی کے ایک سٹول پر بٹھایا جاتا ہے۔قریبی رشتہ دار اس کے چہرے پر خوشبودار تیل اور ''بٹنا'' ملتے ہیں۔پھر اسے کسی اچانک حملے سے اپنے بچاؤ کے لیے ایک لکڑی کا ہتھیار دیا جاتا ہے۔اس کی کلائی پر ''کنگنا'' نامی دھاگا باندھتے ہیں اور تب کے بعد اسے شادی ہو جانے تک کبھی اکیلا نہیں چھوڑا جاتا۔''

③ **تیل چڑھانا:** ''گورداسپور میں رشتہ دار عورتیں اکٹھی ہوتی ہیں اور ان میں سے پانچ یا سات سہاگنیں دلہا یا دلہن کو (یعنی تقریب کی مناسبت سے) تیل لگاتی ہیں۔اس رسم کو ''تیل چڑھانا'' کہتے ہیں۔ان کے جسموں پر ''وٹنا'' یا ''بٹنا'' بھی ملا جاتا ہے۔''

④ **جُوٹھا ٹِکا لگانے کی رسم:** ''جب بارات قصبے یا گاؤں سے باہر ٹھہری ہو تو یہ رسم ادا کی جاتی ہے۔ دلہا کی پیشانی پر کیسر سے ایک ''ٹیکا'' (لائن) لگایا جاتا ہے اور باقی کا کیسر دلہن کو بھجوا دیتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی تابع فرمان رہے۔ تب قصبے کے کچھ معزز افراد عزت افزائی کے لیے بارات کی طرف جاتے ہیں تاکہ انہیں ٹھہرنے کے لیے مخصوص کردہ جگہ تک لیجا سکیں۔''

⑤ **جُھلڑیاں:** ''کچھ شادی شدہ عورتیں شادی کے گیت گاتی ہوئی جاتی اور قریبی کنوئیں سے پانی لاتی ہیں۔ اس میں سے کچھ پانی کے ساتھ وہ دلہن کو نہلاتی اور باقی پانی ایک چھوٹے سے لکڑی کے برتن میں ڈال دیتی ہیں جو دلہا کے ساتھ مخصوص رسموں کی ادائیگی میں استعمال ہوتا ہے۔''

⑥ **لسّی پیر:** ''جب شادی کی رسوم انجام دی جا رہی ہوں تو دلہا کی ماں اپنے گھر میں دیگر رشتہ دار عورتوں کے ہمراہ دودھ میں پانی ملا کر اپنے پاؤں اس میں ڈالتی ہے۔ اس کے بعد وہ بوڑھی عورتوں سے کہتی ہے کہ وہ اس کے بیٹے اور بہو کو دعائیں دیں کہ جس طرح دودھ میں پانی ملا ہوا ہے اسی طرح وہ دونوں بھی ہمیشہ محبت کے ساتھ یکجا رہ کر زندگی گزاریں۔''

⑦ **پانی وارنا:** ''جب جوڑا گھر کے قریب آئے تو خاندان کی کچھ عورتیں عزت کے ساتھ ان کا استقبال کرتی ہیں۔ ماں پانی کا ایک پیالہ اپنے بیٹے اور بہو کے سامنے سات مرتبہ لہراتی اور پھر اس میں سے پانی پی لیتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ خوشی سے اور اپنے بیٹے سے محبت کی خاطر وہ تمام مصیبتیں اپنے سر لے رہی ہے جو مستقبل میں ان دونوں میں سے کسی پر نازل ہو سکتی ہیں۔''

⑧ **مُکلاوا:** ''لڑکی سسرال میں چند دن ٹھہرنے کے بعد اپنے باپ کے گھر واپس جاتی ہے۔ شوہر ایک مخصوص عرصے (شادی کے دن سے لے کر ایک تا تین سال) بعد اپنے چند دوستوں کے ہمراہ اُسے واپس لینے جاتا ہے۔ اس موقعہ پر لڑکے کا سُسرا اسے کچھ جوڑے اور زیور دیتا ہے۔''

ان رسومات کے علاوہ بھی بہت سی ایسی رسومات ہیں جن کا مذہب سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ان رسومات کی تفصیل ''پنجاب کے رسم و رواج کا انسائیکلوپیڈیا'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔

مہر کا تصوّر

ہندو دھرم میں مہر کا ذکر نہیں ملتا۔ گھر والے لڑکی کو جو دینا چاہیں وہ دے سکتے ہیں۔ چونکہ ہندومت میں مہر کا کوئی تصور نہیں ہے اس لیے اس کے بارے میں کوئی خاص تفصیل بھی موجود نہیں ہے۔ البیرونی ہندو بیاہ میں مہر کے تصور کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''زوجین کے درمیان مہر کا ذکر نہیں آتا بلکہ حوصلے کے مطابق عورت کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے اور جو کچھ دینا ہے اسی وقت دے دیا جاتا ہے جس کو واپس لینا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ عورت اپنی خوشی سے ہبہ کر دے۔''(۵۱)

محرمات

دنیا کے تقریباً تمام معاشروں میں یہ رواج ہے کہ شادیاں نہایت قریبی رشتوں کے مابین نہیں کی جاتیں مثلاً ماں اور بیٹوں کے مابین، باپ بیٹیوں کے مابین اور بہن بھائیوں کے مابین شادیوں کو ہر جگہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اسے انگریزی زبان میں Incest Taboos کہا جاتا ہے۔ البتہ ہندوؤں کی تاریخ کے قدیم اوراق میں اس قسم کی شادیوں کے بھی تذکرے ملتے ہیں۔(۵۲)

ہندو دھرم کا مطالعہ کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قدیم ہندو مذہب میں ان محرمات سے بیاہ کرنا ممنوع نہیں تھا تاہم بعد میں ان محرمات سے بیاہ کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ رام راج اپنی کتاب ''ارمغان وید'' میں اس دور کا تذکرہ کرتے ہیں جب ہندو دھرم میں کسی محرم عورت کا کوئی تصور نہیں تھا:

> ''ممالک متوسط برار، بمبئی، کرناٹک اور میسوں میں بعض قومیں بھانجی کے ساتھ شادی کرنا جائز سمجھتی ہیں۔ ارناڈن قوم اپنی بڑی لڑکی سے شادی جائز سمجھتی

ہے۔کھانڈ قوم اپنی خالہ سے نکاح جائز سمجھتی ہے۔کوڈیا قوم بیوہ ماں کے ساتھ بیاہ جائز سمجھتی ہے۔دام مارگی کسی عورت کو حرام نہیں سمجھتے خواہ بیٹی، بہن یا ماں ہی کیوں نہ ہو۔''(۵۳)

البیرونی نے ان محرمات کو بیان کیا ہیں جن سے بیاہ کرنا جدید ہندو دھرم میں ممنوع ہے:

''نکاح کا قانون ان کے ہاں یہ ہے کہ قرابت مندوں میں جو لوگ نسب میں زیادہ دور ہیں ان سے زیادہ بہتر ہیں جو نسب میں زیادہ قریب ہیں۔سلسلہ نسب میں جو لوگ براہِ راست نیچے کی طرف ہیں یعنی اولاد اور اولاد کی بیٹی اور جو براہِ راست اوپر کی طرف ہیں یعنی ماں، دادی، نانی اور ان کی مائیں قطعاً حرام ہیں۔ جو لوگ براہِ راست سلسلہ نسب میں نہیں ہیں بلکہ دونوں جانب (یعنی اوپر اور نیچے) ہٹ کر شاخ ہو گئے ہیں یعنی بہن، بہن کی بیٹی، پھوپھی، خالہ اور ان کی بیٹیاں وہ بھی اسی طرح حرام قطعی ہیں۔لیکن جب وہ نسلیں متواتر پانچ بطن تک ولادت میں دور ہو جائیں تو حرمت زائل ہو کر کراہت باقی رہ جاتی ہے۔''(۵۴)

محرمات میں یہ رشتے شامل ہیں: ماں، داوی، نانی، پردادی، پرنانی...... بیٹی، پوتی، نواسی، پرپوتی، پرنواسی......بہن، بہن کی بیٹی...... پھوپھی، خالہ اور ان کی بیٹیاں۔

تعدّدِ ازدواج

ہندو مذہب میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے پر کوئی پابندی نظر نہیں آتی۔بعض لوگوں نے اس کو ایک شرط سے مشروط کیا ہے کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز نہیں ہیں، البتہ مختلف وقتوں میں کئی بیویاں رکھنے پر کوئی قدغن نہیں ہے۔اس دوسری شادی کو ہندو قانون میں ''پنر وواہ'' کا نام دیا گیا ہے۔دیانند سروتی نے اس دوسری شادی کو اسی نام سے موسوم کیا ہے۔دیانند سرسوتی نے تعدد ازدواج میں مختلف اوقات کی شرط لگائی ہے:

''سوال: عورت اور مرد کے بہت بیاہ ہونے جائز ہیں یا نہیں؟ جواب: ایک وقت میں نہیں۔سوال: کیا مختلف وقتوں میں ایک سے زیادہ بیاہ ہونے چاہئیں؟ جواب: ہاں''۔(۵۵)

دوسری شادی کے لیے چند شرائط

دیانند سرسوتی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اوقات میں ایک سے زیادہ بیاہ ہو سکتے ہیں، مگر اس کے لیے چند شرائط بھی ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔دیانند سرسوتی لکھتے ہیں:

''جس عورت یا مرد کا پانی گرہن ماتر سنسکار ہوا ہو (محض رسوماتِ شادی ادا ہوئی ہوں) اور میل نہ ہوا ہو یعنی جو اکھشت یونی استری (باکرہ عورت) اور اکھشت ویرج مرد ہو۔ان کا دوسری عورت یا مرد کے ساتھ پُنر وواہ (مکرر ازدواج) ہونا چاہیے۔''(۵۶)

تعدد ازدواج کے سلسلے میں ہندوستان کے مختلف ادوار مختلف تصور پیش کرتے ہیں۔قدیم دور میں تعدد ازدواج ممنوع تھا۔مرد عورت کی اجازت کے بغیر نہ تو کسی سے شادی کر سکتا تھا اور نہ کسی سے تعلق بنا سکتا تھا۔بعد میں چند شرائط اور مخصوص حالات میں دوسری شادی کا تصور وجود میں آیا۔منو نے یہ واضح کیا کہ اگر صرف شادی کی رسومات ادا ہوئی ہیں، مباشرت نہیں ہوئی تو دوسرا بیاہ جائز ہے جبکہ دیانند سرسوتی نے ایک وقت میں متعدد بیویاں رکھنے کو ممنوع قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر گستاؤلی بان وحدۃ الازواج اور تعدد ازدواج پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ویدی آریوں میں عام طور پر وحدۃ الازواج کی رسم تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے زمانے میں راجہ اور دولت مند لوگ کئی بی بیاں کرنے لگے تھے۔جس چیز نے آریوں میں کثرت الازواج کی رسم کو جاری کیا وہ بیٹوں کی ضرورت تھی۔جب پہلی بی بی سے صرف لڑکیاں ہوتیں تو پھر اولادِ ذکور کے لیے دوسری بی بی کرنا لازم آتا۔''(۵۷)

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل تو تعدد ازدواج کی ممانعت تھی اور اگر اجازت بھی تھی تو اس کے لیے کئی شرائط تھیں، مگر بعد کے ادوار میں یک زوجگی کی پابندی ختم کر دی گئی ہے۔اب تعدد ازدواج پر کوئی قید نہیں ہے، نہ پہلی بیوی کی اجازت کی ضرورت ہے اور نہ ہی پہلی بیوی کے مرنے کی۔

جان ڈی مین نے اپنی کتاب ''قانون و رواجِ ہنود'' میں تعدد ازدواج پر تفصیلی تبصرہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے:

''الحاصل اب برطانوی ہند کی عدالتوں میں یہ امر قطعاً فیصل ہو چکا ہے کہ زوجگان کی تعداد کے متعلق ایک ہندو پر کسی قسم کے قیود عائد نہیں ہیں یہ کہ وہ زوجہ کی رضامندی کے بغیر دوبارہ شادی کرسکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ کسی قسم کا عذرِ قانونی پیش کرے۔ اس کی خواہش کافی ہے' البتہ وہ اپنی زوجہ کو طلاق نہیں دے سکتا۔''[۵۹]

تعدّدِ ازدواج کی حد؟

یہ بات واضح ہوگئی کہ ہندومت میں تعدد ازدواج کی اجازت ہے۔ اب یہاں یہ دیکھنا ہے کہ ایک ہندو مرد کو کتنی بیویاں رکھنے کا اختیار ہے؟ آیا اس میں تعداد کی کوئی قید ہے یا نہیں اور اگر تعداد کی قید ہے تو وہ کیا ہے؟

مختلف اقتباسات سے پتا چلتا ہے کہ ایک ہندو مرد کو زیادہ سے زیادہ چار شادیوں کی اجازت ہے' جبکہ بعض لوگوں کے نزدیک بیویوں کی تعداد ذات کے اعتبار سے ہے۔ برہمن کے لیے چار' کھشتری کے لیے تین' ویش کے لیے دو اور شودر کے لیے صرف ایک بیوی رکھنے کی اجازت ہے۔ عبد المجید سالک اپنی کتاب ''مسلم ثقافت ہندوستان میں'' میں لکھتے ہیں:

''ہندوؤں میں زیادہ سے زیادہ چار شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔ اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو اس کی جگہ وہ ایک اور بیوی کرسکتا ہے۔ بعض ہندوؤں کا خیال ہے کہ بیویوں کی تعداد ذات اور ورن پر موقوف ہے مثلاً برہمن کو چار' کھشتری کو تین' ویش کو دو اور شودر کو ایک بیوی رکھنے کا حق ہے۔''[۵۹]

پیر کرم شاہ اپنی کتاب ''ضیاء النبی ﷺ'' میں لکھتے ہیں:

''آریوں کے نزدیک تعداد ازدواج کی اجازت تھی۔ چار عورتوں سے بیک وقت وہ شادی کرسکتے تھے۔''[۶۰]

البیرونی تعدد ازدواج کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مرد کو حق ہے کہ ایک سے زیادہ چار بیوی تک کرے۔ چار سے زیادہ حرام ہے' لیکن اگر ان چار میں سے جو اس کے پاس ہیں' کوئی ایک مرجائے تو دوسری سے اس عدد کو پورا کرسکتا ہے لیکن چار سے زیادہ نہیں کرسکتا۔''[۶۱]

ہندو مذہب کے مطابق ایک آدمی چار سے زیادہ شادیاں نہیں کرسکتا ہے مگر راجے مہاراجے اس قانون سے بالاتر نظر آتے ہیں۔ ان کی تو اَن گنت بیویاں ہوتی تھیں۔ پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

''آریوں کے نزدیک تعداد ازدواج کی اجازت تھی۔ چار عورتوں سے بیک وقت وہ شادی کرسکتے تھے اور ان کے راجے مہاراجے ہر قسم کی پابندی سے بالاتر تھے۔ انہیں اَن گنت عورتوں سے شادیاں رچانے کی کھلی چھٹی تھی۔''[۶۲]

متعدّد شوہروں/مشترکہ بیوی کا رواج

ہندومت میں ایک طرف تو شوہر کو مکمل آزادی دی گئی ہے کہ وہ جتنی چاہے شادیاں کرے تو دوسری طرف عورت کو بھی بیک وقت متعدد شوہر رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ قدیم قوموں میں یہ رواج تھا کہ چند بھائیوں کی ایک مشترکہ بیوی ہوتی تھی۔ اس شادی کو ''پولندری بیاہ'' کا نام دیا گیا ہے۔ ارمغان وید کے مصنف لکھتے ہیں:

''پہاڑی اقوام میں کئی بھائیوں میں ایک عورت کافی سمجھی جاتی ہے۔ کہتے ہیں اس سے زمین تقسیم نہیں ہوتی اور خاندان میں ایکا رہتا ہے یہ ''پولندری بیاہ'' کہلاتا ہے۔''[۶۳]

رام راج نے ان علاقوں کا مختصراً ذکر کیا ہے جن میں چند بھائیوں کی مشترکہ بیوی کا رواج عام تھا اور پولندری بیاہ کو جائز تصور کیا جاتا تھا:

''دیرہ دون پرگنہ چون سار کی پہاڑی اقوام میں کئی بھائیوں میں ایک عورت کافی سمجھی جاتی ہے۔ کہتے ہیں اس سے زمین تقسیم نہیں ہوتی اور خاندان میں ایکا رہتا ہے' یہ ''پولندری بیاہ'' کہلاتا ہے۔ اگر کوئی بھائی اس پر راضی نہ ہو تو اسے دوسرا مکان بنا کر دوسری عورت کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ تبت اور بھوٹان میں بڑا بھائی شادی کرتا ہے اور چھوٹے بھائی باری باری اس سے کام نکالتے ہیں۔

پنجاب میں پولنڈری طریقہ پر بیاہ کرنے والے دوہرا مکان بناتے ہیں۔ اگلے حصے میں تمام بھائی رہتے ہیں اور پچھلے حصے میں ان کی اکلوتی بیوی رہتی ہے۔ ان بھائیوں میں سے جو وہاں جاتا ہے وہ دروازے پر اپنا جوتا یا ٹوپی رکھ دیتا ہے۔ واپسی پر اسے ہٹا لیتا ہے تاکہ دوسرے بھائیوں کو موقع ملے...... پنجاب میں اگر کسی کا بھائی نہ ہو تو وہ کسی دوسرے کو اپنا شریک بنا لیتا ہے ایسے شخص کو دھرم بھائی کہتے ہیں۔ یہ رسوم کنیٹ، جاٹ، راجپوت اور کشمیر کے ٹھاکر اور میگھ اقوام میں جاری ہیں جو آریائی نسل کے لوگ ہیں۔''(۶۴)

پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

''کشمیر کے پہاڑی علاقوں میں اب بھی ہندوؤں میں اس قسم کی رسوا کن شادیاں ہوتی رہتی ہیں۔ متعدد بھائی ایک بیوی کو اپنی زوجہ بنائے رکھتے ہیں۔ اسلام سے قبل عرب میں بھی اس قسم کی ذلت آمیز شادیوں کا رواج تھا۔ ان میں سے ایک زواج بدال ہوتا تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو کسی شخص کے لیے مباح کر دیتا اور وہ شخص اس کے بدلے میں اپنی بیوی کو اجازت دے دیتا کہ وہ اس شخص سے ہم بستری کرے۔''(۶۵)

بعض قبائل میں تو چند رشتہ داروں کی مشترکہ بیوی کا رواج بھی عام تھا:

''چھوٹیوں میں ایک عورت کئی بھائیوں (یا دیگر قریبی رشتہ داروں) کی زوجہ کی حیثیت سے خاندان میں داخل ہوتی ہے۔ یہ عمل تا حال جاری ہے۔ مدورا کے تو تیاروں میں بھائی، چچا، بھتیجے اور دوسرے قرابت داروں کی زوجگان مشترکہ ہوتی ہیں اور ان کے مذہبی پیشوا ان کی مرضی کے خلاف انہیں مجبور کرتے ہیں کہ اس رواج کو قائم رکھا جائے۔''(۶۶)

متعدّد شوہروں کی صورت میں اولاد کس کی ہوگی؟

اگر ایک عورت کئی مردوں کی مشترکہ بیوی ہے تو اس کی اولاد کا نسب کس کے ساتھ ملے گا۔ اس بارے میں دو قانون ملتے ہیں:

① چند بھائیوں کی مشترکہ بیوی سے ہونے والی اولاد بڑے بھائی کی شمار ہوگی اور اولاد کا نسب بھی اسی سے جوڑا جائے گا۔ رام راج لکھتے ہیں:

''بڑا بھائی چھوٹے بھائیوں کی ضرورت کا خیال رکھتا ہے۔ اس عورت سے جو بچے ہوتے ہیں وہ بڑے بھائی کے سمجھے جاتے ہیں اور بچے اپنے زیادہ باپوں پر فخر کرتے ہیں اور سب کو اپنا باپ سمجھتے ہیں۔''(۶۷)

② بعض خاندانوں میں مشترکہ بیوی سے ہونے والی اولاد بھائیوں کی ترتیب پر ہوگی۔ یعنی بڑا بیٹا بڑے بھائی کا، دوسرا دوسرے بھائی کا علیٰ ہذا القیاس۔ جان ڈی مین لکھتے ہیں:

''اگر تین یا چار بھائیوں میں ایک ہی زوجہ ہو تو بڑا بھائی بڑے بیٹے کا اور چھوٹا بھائی چھوٹے بیٹے کا، نیز اسی ترتیب سے باپ سمجھا جاتا ہے۔ قانون کا یہ قیاس قطعی ہے اگرچہ واقعات اس کے خلاف ہوں۔''(۶۸)

متعدد شوہروں والی شادی کا سبب

اس کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ ان قوموں میں عورتوں کی کمی ہوتی ہے اس لیے کئی کئی مردوں کو ایک عورت پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ مگر وہ لوگ یہ سمجھنے سے عاری ہیں کہ عورتوں کی کمی اسی رسم بد کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جب ایک عورت کئی مردوں کی شہوت رانی کا شکار ہوتی ہے اول تو اس کے ہاں اولاد کم ہوتی ہے کیونکہ مختلف خون کے اثرات سے استقرارِ حمل میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ دوسرا ایسی عورتیں جلد مر جاتی ہیں اور معاشرے میں عورتوں کی کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص کر اس لیے بھی کہ یہ شادیاں کم عمری میں ہو جاتی ہیں اور بچیاں کئی کئی مردوں کی یلغار کی تاب نہ لا کر جلد مر جاتی ہیں یا صحت بگاڑ لیتی ہیں۔(۶۹)

بیوہ کا نکاحِ ثانی

بیوہ کے نکاح ثانی کے بارے میں ہندو مذہبی رہنماؤں میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اسے جائز تصور کرتے ہیں اور بعض اسے ناجائز اور گھٹیا خیال کرتے ہیں۔ مذہب کا تو اس میں اتفاق نہیں ہو سکا، لیکن معاشرے میں بیوہ کے بارے میں ایک ہی رواج موجود ہے کہ وہ ساری عمر اپنے شوہر کی بیوہ بن کے زندگی گزارے اور زندگی کی ہر آسائشوں سے اسے محروم کر دیا جائے۔ منوسمرتی میں بیوہ کے نکاح ثانی کو منع کیا گیا ہے:

''عورت کے لیے قربانی اور بَرت کرنا گناہ ہے۔صرف شوہر کی خدمت کرنا چاہیے۔عورت کو چاہیے کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے شوہر کا نام بھی نہ لیوے۔کم خوراکی کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کرے۔''[70]

البیرونی لکھتے ہیں:

''اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے تو وہ دوسرا بیاہ نہیں کر سکتی۔اسے دو صورتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوتا ہے: یا تو وہ زندگی بھر بیوہ رہے یا خودسوزی کر لے اور خودسوزی یعنی ستی ہو جانے کو بہتر تصور کیا جاتا ہے۔راجاؤں کی بیویوں کو جلا دیا جاتا ہے وہ جلنا چاہیں یا نہ چاہیں۔یہ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کر سکیں جس سے ان کے نامور شوہر کے نام کو دبّہ لگے۔صرف عمر رسیدہ عورتیں اور وہ عورتیں جن کے بچے ہیں اس سے مستثنیٰ ہیں کیوں کہ ان کی حفاظت کی ذمّہ داری ان کے بیٹوں پر چھوڑ دی جاتی ہے۔''[71]

محمد مجیب اپنی کتاب ''تاریخ تمدنِ ہند'' میں بیوہ کے دوسرے بیاہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس معاشرے میں جس کا نقشہ ہمیں اَرتھ شاستر میں ملتا ہے' بیوہ عورتوں کے لیے دوبارہ شادی کر لینا کچھ مشکل نہ ہوگا' لیکن پورے ہندوستان کے حالات ایک سے نہیں تھے۔منو دھرم شاستر میں بیوہ کے لیے خدمت اور عبادت کے سوا عمر کاٹنے کا کوئی اور طریقہ تجویز نہیں کیا گیا تھا۔یونانیوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان کے کھشتریوں میں ستی کی رسم تھی اور بیوہ اپنے لیے بڑی عزت اور خوشی کی بات سمجھتی تھی کہ وہ شوہر کی چِتا پر جل کر اپنی جان دے۔''[72]

ہندو معاشرے میں بیوہ کی حالتِ زار

اب یہاں اُن حالات کا تذکرہ کرتے ہیں جو ایک ہندو بیوہ کے حصے میں آتے ہیں۔ہندو معاشرے میں ایک عام عورت کو انسانی حقوق نہیں دیے جاتے تو ایک بیوہ کی حالت کتنی دردناک ہو گی' اس کا اندازہ ایک عام شخص بھی آسانی سے لگا سکتا ہے۔

اے ایل باشم ہندو بیوہ کی حالتِ زار کو بیان کرتے لکھتے ہیں:

''بیوہ بہت بدنصیب تصور کی جاتی تھی۔وہ ہر اعتبار سے درویشی کی زندگی بسر

کرتی تھی' زمین پر سوتی تھی اور دن بھر میں صرف ایک بار بہت سادہ کھاتی تھی' نہ اس میں شہد ہوتا تھا' نہ گوشت' نہ شراب اور نہ نمک۔وہ زیور بالکل نہیں پہنتی تھی اور رنگین کپڑے اور عطریات کا استعمال بھی نہیں کرتی تھی۔عہدِ وسطیٰ میں بیواؤں سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنے بال ترشوائیں۔ایک بیوہ کو یہ سخت زندگی اپنے آخری ایام تک بسر کرنا ہوتی تھی اور وہ بھی صرف اس امید میں کہ دوسری دنیا میں اس کی شادی اس کے سابق شوہر سے دوبارہ ہو جائے گی۔وہ اپنا وقت عبادت میں گزارتی تھی اور وہ اپنے شوہر کی طرف سے دوسرے مذہبی مراسم ادا کرتی تھی اور اگر اس نے اس پُر ریاضت زندگی کی ذرا سی بھی خلاف ورزی کی تو صرف یہی نہیں کہ اس کا دوسرا جنم بہت برا ہوگا بلکہ وہ اس طرح اپنے متوفی شوہر کی روح کے سکون کو بھی خطرے میں ڈال دے گی جو اپنی دوسری زندگی میں اپنی بیوی کی خطاؤں کا خمیازہ بھگت سکتا ہے۔''[73]

گستاؤلی بان کے مطابق ہندو بیوہ کو انسان بھی نہیں سمجھا جاتا ہے یعنی اس حد تک گرا ہوا خیال کیا جاتا ہے۔اس بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''ہندو کا مرنا اس کی زوجہ کے لیے ایک ایسی مصیبت ہے جو ہر روز بڑھتی رہتی ہے۔وہ کبھی سر نہیں اٹھا سکتی اور مرتے دم تک یہ مصیبت اسکے ساتھ رہتی ہے۔اس کا شمار انسانوں میں نہیں رہتا اور اسکی نظر منحوس سمجھی جاتی ہے اور جس چیز کو وہ ہاتھ لگاتی ہے نجس ہو جاتی ہے۔ذلیل اور خوار زندگی اس کو وبال ہو جاتی ہے۔اسے کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے خیال کو ناپاک کرنے یا ایک مصیبت اور تنہائی کی زندگی بسر کرے۔''[74]

سَتی/شوہر کے ساتھ جل جانے کی رسم

ہندومت میں عورت کو بہت گھٹیا خیال کیا جاتا ہے اور ہندو بیوہ کی حالت جانوروں سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ان حالات کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ خاوند کے مرنے میں اس بیچاری عورت کا عمل دخل ہے اور اس کو سزا دینے کے لیے اس کی زندگی کو موت سے بھی بدتر بنا دیا گیا ہے۔اس لیے وہ عورت روز روز مرنے سے بچنے کے لیے اپنے شوہر کے ساتھ جل جانے کو تیار ہو جاتی ہے۔بیوی کے شوہر کے ساتھ جل جانے کی رسم کو

''ستی'' کا نام دیا گیا ہے۔

لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ بیوی کا شوہر کے ساتھ جل جانا اس بات کی علامت ہے کہ ہندو بیوی اپنے شوہر سے اتنی محبت کرتی ہے کہ وہ اس کے بغیر زندگی کا تصور ہی نہیں کر سکتی اور اسی لیے وہ اس کے مرنے کے ساتھ ہی خود بھی جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ ہندو بیوہ شوہر کی محبت میں نہیں' بلکہ آنے والی جانوروں سے بھی بدتر زندگی سے نجات پانے کے لیے شوہر کے ساتھ ستی ہو جاتی ہے۔

''تمدنِ ہند'' کے مصنف اس رسم کی قدامت کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''یہ پتا نہیں لگتا کہ ستی کی رسم کس زمانے سے جاری ہے۔ منوشاستر میں اس کا ذکر مطلق نہیں ہے اور نہ وید میں ہے اگرچہ بہت دنوں بعد برہمنوں نے وید کی ایک رچا کے غلط معنی لگا کر اس کی قدامت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم سنِ عیسوی کے ماقبل کی ہے کیونکہ یونانی مصنفوں نے تین سو سال ق م اس کا ذکر کیا۔ ستی کی رسم ہند سے بالکل اٹھ گئی ہے اور صرف نیپال میں باقی ہے۔ اگرچہ بمشکل کہا جا سکتا ہے کہ عورتوں کو اس کے اٹھ جانے کا کوئی فائدہ ہوا کیونکہ بیواؤں کی حالت جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں' نہایت دردناک ہے اور ان میں سے بعض جنہوں نے نکاح ثانی کی ظاہری رسوائی کو گوارا کیا ہے' نہایت بری خیال کی جاتی ہیں۔''(۷۵)

''ول ڈیورانٹ'' نے اس رسم کو جامع انداز میں بیان کیا ہے:

''ہند میں ستی کی رسم کو بھی بہت اہمیت حاصل تھی۔ ہیروڈوٹس نے اسے قدیم سیتھین اور تراکی کی روایت قرار دیا۔ اگر ہم اس کا تجزیہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ تراکیوں کی بیویاں اپنے شوہروں کی قبروں پر جان دینے کو باعثِ فخر سمجھتی تھیں۔ احتمال یہی ہے کہ یہ رسم دنیا بھر میں زمانہ قدیم کے اس قیاس کی وجہ سے چلی آئی ہے کہ شہزادوں اور امراء کی ایک یا دو بیویاں' ان کی داشتائیں' ان کے غلام' ان کے مرنے کے بعد ان کی خدمت کرنا جاری رکھیں گے۔ ارتھ وید کے مطابق یہ ایک قدیم رسم ہے جبکہ رگ وید اس کے بارے میں یہ نشاندہی کرتا ہے کہ وید عہد میں صرف اسی پر اکتفا کیا گیا تھا کہ بیوہ جلنے سے پہلے صرف ایک لمحے

کے لیے اپنے شوہر کی چتا پر لیٹ جائے۔ مہابھارت میں بغیر کسی مذمت کے اس رسم کا دوبارہ سے احیا شروع کر دیا گیا۔ ہمیں اس میں بارہا ستی کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ مہابھارت میں اس قانون کا تذکرہ ملتا ہے کہ باوفا بیوہ اپنے شوہر کے بعد زندہ رہنے کے بجائے بڑے فخر سے اس کی چتا کی آگ میں کودنے کو ترجیح دیتی ہے۔ بیوہ کو گڑھے میں دھکیل کر جلانے یا جنوب میں تلگوؤں کے ہاں اسے زندہ درگور کرنے سے قربانی کو مزید قابلِ قبول قرار دیا گیا ہے۔ سٹرابو نے درج کیا ہے کہ ''ہند میں سکندر اعظم کے آنے تک ستی کی رسم جاری تھی۔ پنجاب کے کیتھاری قبیلے میں شوہروں کو بیویوں کے ہاتھوں زہر دے کر مارنے سے بچانے کے لیے ستی کو باقاعدہ قانون بنا دیا گیا''۔ منو میں ستی کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ برہمنوں نے پہلے پہل اس کی مخالفت کی مگر بعد میں مذہبی رنگ دیتے ہوئے اسے یہ کہہ کر اپنا لیا کہ یہ اصل میں شادی کی ابدیت سے وابستگی کا اظہار ہے۔ کسی مرد کے ساتھ ایک مرتبہ بیاہی گئی عورت ہمیشہ کے لیے اس کی ہو جاتی ہے اور اگلے جنموں میں بھی دونوں کا ملاپ ہوگا۔''(۷۶)

عورت کے ستی ہونے کا اصل سبب

جیسا کہ ہم نے ماقبل بیان کیا کہ ہندو عورت اپنے شوہر کے ساتھ اس کی محبت اور جاں نثاری کی وجہ سے نہیں جلتی تھی بلکہ اس کی وجہ وہ حالات اور مسائل ہیں جن کا ہندو بیوہ کو سامنا کرنا پڑتا ہے (جس کی تفصیل ہم ماقبل بیان کر چکے ہیں)۔ ہندو بیوہ کی زندگی جانور سے بھی بری ہو جاتی ہے اس لیے ہندو بیوہ اپنی زندگی کو شوہر کے ساتھ ہی ختم کر دیتی ہے تاکہ اس موت سے بدتر زندگی سے بچ سکے اور لمحہ لمحہ مرنے کے بجائے ایک ہی دفعہ موت کو اپنے گلے لگا لے۔ ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتے ہیں:

''اب سمجھ میں آئے گا کہ ہندو عورت کی محبت اور جاں نثاری شوہر کے ساتھ کس درجہ پر ہے اور چونکہ یہ رسم صدیوں سے چلی آتی ہے' جاں نثاری اسکی فطرت کا جزء ہو گئی ہے۔ یہی اسباب ہیں جن سے ستی کی رسم قایم ہوئی اور قایم رہی اور جس رسم کی رو سے بیوائیں اپنے شوہروں کے ساتھ جلنے پر مجبور ہیں۔ جس وقت اس اعلیٰ اور عیش کی زندگی کا جو بیوہ کو عالم بالا میں اپنے شوہروں کیساتھ نصیب ہوگا' اس

مصیبت اور ذلّت کی زندگی کا مقابلہ کیا جاوے جو اسے اس عالم میں کاٹنی پڑے گی تو بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ بیچاری بیوہ نہایت آمادگی اور جوش کے ساتھ اس طرح جان دینے پر راضی ہو جاتی تھی کہ اسکے گرد ایک مجمع ہوتا تھا جو دعائیں پڑھتا ہوا اور گاتا ہوا اور شاباش اور مرحبا کے نعروں سے رخصت کرتا تھا۔'' (77)

آخر میں یہی مصنف اس بات کا ثبوت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب بھی اس رسم کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو سب سے زیادہ اس کی مخالفت بھی عورتوں نے کی تاکہ وہ اس جانوروں والی زندگی سے بچ سکیں جہاں سانس بھی اپنی مرضی سے نہیں لیا جا سکتا تھا:

''جب حکومتِ انگریز نے ستی کی رسم کو موقوف کیا تو اس ممانعت کی مخالفت عورتوں کی طرف سے ہوئی اور ایک مدت تک وہ خفیہ طور پر جانیں دیتی رہیں۔ باوجود جنگ بہادر کی کوششوں کے عورتوں ہی کی ممانعت نے اس رسم کو نیپال میں موقوف نہیں ہونے دیا۔'' (78)

شاہ معین الدین ندوی بھی بیوہ کے ستی ہونے کی وجہ ان حالات کو قرار دیتے ہیں جو ہندو بیوہ کو پیش آتے ہیں:

''ہندوؤں کی اخلاقی حالت انتہائی شرمناک تھی......عورتوں کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ عورت شوہر کی موت کے بعد دنیاوی لذات سے محروم کر دی جاتی تھی اس لیے شوہر کے ساتھ ہی جل مرنے کو زندگی پر ترجیح دی جاتی تھی۔'' (79)

مطلقہ/ بیوہ کا نکاحِ ثانی

تعدد ازدواج کے عنوان کے تحت یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مرد ایک سے زیادہ شادیاں کر سکتا ہے۔ اب ہم یہاں سے عورت (مطلقہ/ بیوہ) کے نکاح ثانی کے متعلق ہندو قوانین کا جائزہ لیتے ہیں۔

ہندو قوانین کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ ویدوں میں عورت کے دوسرا بیاہ کرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی، مگر منو نے بیوہ اور مطلقہ کے بیاہ پر پابندی لگا دی۔ منو کے نزدیک عورت صرف اس صورت میں دوسرا بیاہ کر سکتی ہے کہ اس کی صرف شادی کی رسومات ادا ہوئی ہوں اور مباشرت نہ ہوئی ہو۔ اب اگر یہ بیوہ ہو جائے تو اس کے دوسرا نکاح کرنے پر

کوئی برائی نہیں ہے:

''عورت کے لیے قربانی اور بَرت کرنا گناہ ہے۔ صرف شوہر کی خدمت کرنا چاہیے۔ عورت کو چاہیے کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے شوہر کا نام بھی نہ لیوے۔ کم خوراکی کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کرے۔'' (80)

دوسری طرف اگر ہم ویدوں کا مطالعہ کریں جس پر ہندو مذہب کی بنیاد ہے، تو پتا چلتا ہے کہ بیوہ اور مطلقہ کے دوسرا بیاہ کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے، نہ مذہباً کوئی برائی ہے اور نہ معاشرتاً کوئی خرابی ہے۔ مثلاً رگ وید میں ہے:

''اے بیوہ عورت تجھ کو وید نصیحت کرتا ہے کہ پتی کے مرنے پر دوسرے مرد سے بیاہ کر کے اولاد پیدا کر۔'' (81)

اسی طرح اتھر وید میں بھی بیوہ کو دوسرے بیاہ کی اجازت دی گئی ہے:

''جو عورت بیوہ ہو کر اپنے سُکھ کا مطالبہ کرے تو وہ پتی کے مر جانے کے بعد دوسرے مرد سے بیاہ کر لے۔ وید اس کی اجازت دیتا ہے کہ نئے مرد سے بیاہ کرنے سے اپنی حفاظت کے لیے اور اولاد حاصل کرنے کے لیے دوبارہ شادی کر لے۔'' (82)

ان عبارات سے واضح ثبوت ملتا ہے کہ ہندو مذہب میں بیوہ کے نکاح پر کوئی پابندی نہیں ہے اور ستی کی رسم کا بھی مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ صرف لوگوں کی اختراعات ہیں۔

بیوہ کا بیاہ: منو اور ویدوں کی عبارات کا موازنہ

جان ڈی مین نے بڑے مفصل انداز میں ان دونوں عبارتوں کا موازنہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ منو کی عبارت میں کچھ کمی زیادتی کی گئی ہے یعنی منو کی عبارت تحریف شدہ ہے اس لیے اس سے استدلال کر کے بیوہ کی شادی کو ناجائز اور غیر مناسب کہنا ٹھیک نہیں ہے:

''عورتوں کے ازدواج ثانی (طلاق کی وجہ سے یا بیوہ ہونے سے) کی ممانعت نہ تو ہندو قانون پر مبنی ہے اور نہ ہندو رواج پر۔ ڈاکٹر میر نے ویدوں کی ان عبارتوں کا اقتباس کیا ہے جو بیوگان کی دوسری شادی کو جائز قرار دیتے ہیں اور

اناثِ ذیل کو قدیم مصنفین نے بہ صراحت اجازت دی ہے کہ دوسری مرتبہ شادی کر لیں: (الف) عورتیں جنہوں نے بہ وجوہ معقول شوہر کو چھوڑ دیا ہو۔ (ب) عورتیں جن کو ان کے شوہروں نے چھوڑ دیا ہو۔ (ج) عورتیں جن کے شوہر مر گئے ہوں۔ دوسری جانب منو کے اسناد زیادہ قوی ہیں' لیکن میرے خیال میں یہ بات بالکل صاف ہے کہ اس خاص مدت میں (جیسا کہ متعدد اور صورتوں میں کیا گیا ہے) موجودہ عبارت میں یا تو کچھ بڑھایا گیا ہے یا کوئی چیز ترک کی گئی ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ عبارت بھی مثل دوسری عبارتوں کے تحریف سے متاثر ہوئی ہے۔ منو اس کا اعلان کرتا ہے کہ صرف دوشیزہ سے شادی ہو سکتی ہے اور یہ کہ بیوہ دوسری شادی نہیں کر سکتی۔ البتہ اس نے ایسی لڑکی کو دوسری شادی کی اجازت دی ہے جس کا شوہر خلوت سے قبل مر گیا ہو۔ بہ ظاہر یہی ایک استثنائی صورت ہے جس میں اس نے اجازت دی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ متوفی دُلہا کے بھائی سے شادی کرے۔" (۸۳)

مختلف قبائل و علاقہ جات میں عورت کے نکاحِ ثانی کا رواج

جان ڈی مین نے اپنی کتاب "قانون و رواجِ ہنود" میں ان قبائل اور علاقہ جات کا تذکرہ کیا ہے جو عورت کے دوسرے بیاہ کو برا خیال نہیں کرتے تھے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ بمبئی کی عدالتوں اور بنگال ہائیکورٹ نے ہندو بیوہ کے ازدواجِ ثانی کے حق کو متعدد بار تسلیم کیا ہے۔ آخر میں مصنف لکھتے ہیں:

"اعداد و شمار کو جانچنے کے بعد وہ یہ کہتا ہے کہ ہم غالباً بہت زیادہ غلطی پر نہ ہوں گے اگر ہم فرض کر لیں کہ تقریباً ساٹھ فیصد لوگ بیوگان کی شادی کے رواج پر عامل ہیں اور انہیں اجازت ہے۔" (۸۴)

زنا اور اس کی سزا

دنیا کے تمام مذاہب میں مرد و عورت کا ناجائز تعلق حرام اور ممنوع ہے۔ مذہب اور قانون جرم کی نوعیت دیکھ کر اس کے لیے سزا بھی مقرّر کرتے ہیں۔ اسی طرح ہندومت میں بھی زانی کو برا خیال کیا جاتا ہے اور اسے سزا بھی دی جاتی ہے۔ وہ سزا کیا ہے؟ اس کو

جاننے سے پہلے ہم زنا کے بارے میں ہندومت کے دو عمومی قانون کو بیان کرتے ہیں جس کے بعد اس موضوع کو سمجھنا آسان ہو جائے گا:

قانونِ اول: زنا بالرضا کی کوئی سزا ہندومت میں نہیں ہے' البتہ زنا بالجبر ایک جرم ہے اور اس کی سزا ہندو مذہب اور ہندو قانون میں موجود ہے۔ منو زنا بالرضا اور زنا بالجبر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"کسی دوشیزہ کی مزاحمت کے باوجود جرم کا ارتکاب کرنے والا فوری جسمانی سزا کا مستحق ہے' لیکن اگر کوئی اپنی ہم ذات دوشیزہ کی رضامندی سے حظ اٹھاتا ہے تو جسمانی سزا کا حکم نہیں ہے۔" (۸۵)

قانونِ ثانی: سزا دیتے وقت ذات کا لحاظ بھی رکھا جائے گا۔ اگر برہمن کسی عورت سے زنا کا مرتکب ہوا ہے تو اسے جسمانی سزا نہیں دی جا سکتی' البتہ اسے جرمانہ وغیرہ کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ باقی تین یعنی کھشتری' ویش اور شودر میں سے کوئی زنا کا مرتکب ہوا تو اسے یا تو زندہ جلا دیا جائے گا یا پھر اس کا عضوِ تناسل (مخصوص مردانہ عضو) کاٹ دیا جائے گا۔ منو نے ایک اشلوک میں اس کی سزا کا بھی تذکرہ کیا ہے:

"جو ہم قوم وغیرہ خواہش نہیں کرتی اور مرد اس سے جماع کرتا ہے اس کو قطعِ عضوِ تناسل کی سزا دینی چاہیے' لیکن براہمن کو یہ سزا نہ دینا چاہیے کیونکہ اس کو بدنی سزا دینے کی ممانعت ہے اور جو شخص خواہش کرنے والی دختر ہم قوم سے جماع کرے وہ سزا قطعِ اعضاء نہ پاوے۔" (۸۶)

منو دھرم شاستر کے ان اشلوکوں سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ اگر فریقین راضی ہوں تو زنا جرم نہیں رہتا اور اس کی کوئی سزا بھی نہیں ہے' جبکہ زنا بالجبر کی صورت میں سزا موجود ہے اور اس میں بھی برہمن کو بدنی سزا نہیں دی جا سکتی۔

عورت کی سزا: اگر کوئی لڑکی اپنے سے اونچے ذات کے مرد سے زنا کرے تو اس کی کوئی سزا نہیں ہے اور اگر کسی نچلی ذات کے مرد سے زنا کرے گی تو تب اس کی سزا صرف اتنی سی ہے کہ اسے گھر میں قید کر دیا جائے۔ منو اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"کسی اونچی (ذات) کے (مرد) کی طرف راغب ہونے والی عورت پر کوئی

جرمانہ نہیں ہوگا لیکن جو نچلی (ذات) کے (مرد) کی طرف مائل ہوتی ہے اسے گھر میں پابند کر دیا جائے گا۔''[87]

مرد کی سزا: اگر کوئی مرد اپنے سے اونچی ذات کی لڑکی سے زنا کرتا ہے تو اس کو یا تو قتل کر دیا جائے گا یا پھر اس کے خاص اعضاء کو کاٹ دیا جائے گا' لیکن اگر اپنے سے نچلی ذات یا ہم ذات عورت سے زنا کرتا ہے تو اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ منو مہاراج لکھتے ہیں:

''جو اونچی ذات کی کنیا خواہش کرنیوالی یا نہ کرنے والی ہے' اس سے رذیل آدمی جماع وغیرہ کرنے والا تفاوتِ ذات کے سبب سے قطعِ اعضاء و قتل کے لائق ہوتا ہے اور خواہش کرنے والی ہم قوم کنیا کو کچھ دے کر اس سے جماع کرنے والا سزا کے لائق نہیں ہوتا اور اگر اس کنیا کا باپ راضی ہو تو اس کو کچھ معاوضہ دے کر شادی کر لے۔''[88]

سزا میں ذات کا اعتبار

ماقبل جو زنا کی سزا بیان کی گئی ہے یہ ہر شخص کے لیے نہیں ہے' بلکہ اس میں ذات کا اعتبار ہوتا ہے۔ مثلاً برہمن کو کوئی جسمانی سزا نہیں دی جا سکتی' شودر کو سب سے سخت سزا دی جاتی ہے' جبکہ کھشتری اور ویش کو شودر کی نسبت کم سزا دی جاتی ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ ہندومت میں زنا صرف اس صورت میں جرم ہے جب کوئی دوسری ذات کی عورت سے زنا کرے اور ہم قوم عورت سے زنا کوئی جرم نہیں ہے۔ عبدالقیوم جالندھری اپنی کتاب ''منو کا قانون اور اسلامی قانون'' میں لکھتے ہیں:

''ہندومت میں زنا صرف اس صورت میں جرم تھا اگر کوئی کسی چھوٹی ذات کا مرد اونچی ذات کی لڑکی سے مباشرت کرتا' لیکن جب ایک ہی ذات کے مرد و عورت یہ فعل کرتے تو جرم نہ تھا۔''[89]

☆ ہندو معاشرہ میں سب سے زیادہ پسنے والا طبقہ شودر ہے اور زنا کرنے کی صورت میں بھی سب سے زیادہ سخت سزا اسے ہی دی جاتی ہے۔ منو شودر کی سزا کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''(کسی کی حفاظت میں ہو یا اس کے برعکس) دوجنمی عورت سے مباشرت کے

ارتکاب کرنے والے شودر کو (مندرجہ ذیل) قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔ اگر (عورت) کسی کی حفاظت میں نہیں تو شودر عضو سے محروم ہو جائے گا اور اس کی املاک ضبط۔ لیکن اگر وہ حفاظت میں ہے تو (شودر کی) ہر چیز (حتیٰ کہ جان بھی) جا سکتی ہے۔''[90]

☆ کھشتری اور ویش کو صرف جرمانہ کی سزا دینے کا حکم منو نے دیا ہے:

''کھشتری یا ویش کسی ایسی برہمن سے مباشرت کرتے ہیں جو حفاظت میں نہیں تو وہ ویش کو پانچ سو (پن) اور کھشتری کو ایک ہزار جرمانہ کریں۔ لیکن اگر برہمنی نہ صرف حفاظت میں (بلکہ کسی ممتاز شخص کی بیوی بھی ہے) تو ان کی سزا شودر کی سی ہوگی یا خشک گھاس کی آگ میں جلا دیا جائے گا۔''[91]

☆ برہمن کو جسمانی سزا نہیں دی جا سکتی' البتہ اس نے جرم کا ارتکاب کیا ہے اس لیے اس کو جرمانہ کی سزا دی جاتی ہے۔ منو برہمن کی سزا کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''محفوظ عورت کی طرف اس کی مرضی کے خلاف رجوع کرنے والے برہمن کو ایک ہزار پن جرمانہ ہوگا لیکن اگر عورت کی رضامندی شامل ہے تو جرمانہ ۵۰۰ پن ہوگا۔ برہمن کو موت کی سزا (کے بجائے) سر منڈوانے کی سزا کا حکم دیا گیا ہے' لیکن دوسری ذاتوں (کے مردوں) کو موت کی سزا بھگتنا ہوگی۔''[92]

شادی شدہ مرد و عورت کی سزا

اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا جیسے گندے فعل کا ارتکاب کریں تو ان کی سزا موت ہے۔ مرد کو زندہ جلا کر اور عورت کو کتوں کے آگے ڈال کر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ دیانند سرسوتی لکھتے ہیں:

''جو عورت اپنے حسب ونسب کے گھمنڈ سے شوہر کو چھوڑ کر زنا کرے اس کو جیتے جی بہت عورتوں اور مردوں کے سامنے کتوں سے کٹوا کر مروا ڈالے۔ اسی طرح اپنی عورت کو چھوڑ کر دوسرے کی عورت سے خواہ رنڈی سے زنا کرے تو لوہے کے پلنگ کو آگ میں تپا کے اور سرخ کر کے اس پر اس گنہگار مرد کو سُلا کر بہت سے آدمیوں کے سامنے جلا دیوے۔''[93]

منو مہاراج نے بھی اس قانون کو اپنی کتاب میں بیان کیا ہے:

''اوصاف کے غرور سے اپنے شوہر کو ترک کرنے والی عورت کو راجہ بہت آدمیوں کے روبرو کتوں سے بھوجن کروائے۔ دوسرے کی عورت مرقومہ بالا سے جماع کرنے والا آدمی لوہے کے گرم پلنگ پر سُلا کر چاروں طرف لکڑی رکھ کر آگ جلا دے جس سے پاپی جل جائے۔''(۹۴)

دوسری جگہ منو بیان کرتا ہے:

''اپنے خاوند سے جنسی بے وفائی کی مرتکب چاروں ذاتوں سے تعلق رکھنے والی عورت کو قتل کرنے پر ایک دھونکی' کمان' بکری یا بھیڑ (برہمن کو) دے تاکہ اس فعل کا کفارہ ہو سکے۔''(۹۵)

عصمت فروشی کرنے والی خواتین سے زنا کرنے کی کوئی سزا نہیں

زنا کی سزا کے جتنے قوانین ماقبل بیان کئے گئے ہیں یہ صرف اس صورت میں ہے جب عورت اپنی عزت بیچنے والی یا گانے بجانے والی نہ ہو۔ اور اگر عورت ایسے شخص کی بیوی ہو جو خود اسے کسی سے زنا کرنے کا کہے اور بیوی کی عزت بیچ کر کمائی کرے تو اس صورت میں یہ سب قوانین لاگو نہیں ہوں گے اور نہ ہی کوئی سزا دی جائے گی۔ منو اس قانون کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس قاعدہ کا اطلاق نقلیوں اور گویّوں کی بیویوں پر نہیں ہوتا اور نہ ہی ان (کی) بیویوں پر جن کا گزارا اپنی بیویوں کی کارگزاری پر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ایسے شخص اپنی بیویوں کو خود (دوسروں کے پاس) بھیجتے ہیں یا خود صرفِ نظر کرتے ہوئے انہیں مجامعت کی اجازت دیتے ہیں۔''(۹۶)

بعض موقعوں پر زنا مذہباً جائز ہے

ایک طرف تو ہندو قانون میں زنا کو صرف ایک آدھ صورت میں جرم قرار دے کر اس کی سزا مقرّر کی گئی ہے جبکہ دوسری طرف بعض موقعوں پر زنا کاری کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ مولانا عبدالمجید سالک' دیانند سوامی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اب ان خودغرض مذہبی پیشواؤں نے ایسے باطل مذہبوں کی تلقین شروع کی جس سے کوئی بداخلاقی گناہ نہ رہی۔ زنا کاری کی نہ صرف عام اجازت دے دی

گئی بلکہ ایک خاص موقع ''بھیرویں چکر'' پر شراب خوری اور زنا کاری مذہباً فرض قرار دے دی گئی۔ اس موقع پر مرد و عورت سب ایک جگہ جمع ہوتے۔ مرد ایک ایک عورت کو مادرزاد برہنہ کر کے پوجا کرتے اور عورتیں کسی مرد کو ننگا کر کے پوجتیں۔ اس موقع پر شراب پی جاتی اور بدمست ہو کر کوئی کسی کی عورت کو' کوئی اپنی یا کسی دوسرے کی لڑکی کو' کوئی کسی اور کی یا اپنی ماں' بہن' بہو وغیرہ کو جو وہاں موجود ہوتی' پکڑ لیتا اور جس کے ساتھ چاہتا بدفعلی کر سکتا تھا۔ اس مذہبی تقریب کے علاوہ عام طور پر زنا کاری کے لیے ایک خاص فقرہ مقرر کیا گیا تھا جس کو پڑھ کر ہر مرد عورت ''سماگم'' (ہم بستری) کرتے تھے اور ایسی بدکاری میں کسی رشتہ کے لحاظ کی ضرورت باقی نہ رہتی تھی۔''(۹۷)

ارمغان وید میں بیان کیا گیا ہے کہ دیوالی کے موقع پر زنا جیسا فعل کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے' بلکہ یہ دیوالی کا ایک حصہ ہے:

''جب لڑکی راضی ہو جائے تو اسے محفوظ مقام پر لے جاؤ۔ برہمن کے گھر سے آگ لاؤ اور کُش گھاس اس کے گرد بچھا دو۔ پھر دونوں مل کر اس آگ کی پوجا کرو اور اس کے گرد تین بار گھومو اور آگ کو گواہ بناؤ اور پھر صحبت کرو اور جا کر اپنے والدین کو بتا دو جو دوست احباب کو بتا دیں۔ اختلاف یا ناپسندیدگی کا کسی طرف سے اظہار ہو تو بزرگوں کو بیچ بچاؤ کر کے سب کو راضی کر لینا چاہیے۔''(۹۸)

زنا کا ایک واقعہ

پیر کرم شاہ نے ایک ہندو مذہبی رہنما کے زنا کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جس کو ذیل میں موضوع کی مناسبت سے ذکر کیا جا رہا ہے:

''ان کی مذہبی کتابوں میں مرقوم ہے کہ پراشسر جو بڑا زاہد اور پارسا تھا' وہ ایک دفعہ ایک کشتی میں سوار ہوا۔ اس کشتی میں ملاح کی بیٹی تھی جس نے اس کا دل لوٹ لیا۔ اس نے اس کو بہلانا پھسلانا شروع کیا تاکہ وہ اسے اپنے ساتھ مجامعت کرنے دے یہاں تک کہ وہ اس کام کے لیے رضامند ہوگئی۔ جب کشتی کنارے پر آ لگی تو وہاں کوئی اوٹ نہ تھی جس کے پردے میں وہ یہ قبیح حرکت کر سکیں۔ اسی وقت ایک بیل اُگی اور اتنی بڑھی کہ اس کے پردے میں انہوں

نے مجامعت کی۔ اور اس زنا سے جو بچہ پیدا ہوا اس کا نام بیاس ہے جو ان کے نامور فضلاء میں شمار ہوتا ہے۔''[99]

جبری آبروریزی کی صورت میں نکاح کا لزوم

عیسائیت اور یہودیت کی طرح ہندومت میں بھی یہ قانون تھا کہ اگر کوئی شخص کسی لڑکی سے جبراً زنا کرلے تو وہ اس عورت کا شوہر تصور کیا جائے گا اور اس لڑکی سے ہونے والی اولاد کا نسب بھی اس مرد سے ثابت ہوگا اور یہ مرد اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ یہ صرف قانون کی حد تک نہیں ہے بلکہ ہندو معاشرے میں اسے شادیوں کی قسموں میں سے ایک قسم قرار دیا گیا ہے۔

اس قسم کی شادی کو ہندو معاشرے اور مذہبی کتابوں نے ''پیشاچ'' کے نام سے موسوم کیا ہے اور اس کا تذکرہ تقریباً ہندوؤں کی تمام مذہبی کتابوں نے کیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایسی شادی ہندوؤں میں رائج ہے۔ دیانند سرسوتی نے بھی اس بیاہ کا ذکر کیا ہے:

''سوئی ہوئی یا شراب وغیرہ پی کر پاگل ہوئی لڑکی سے بالجبر مجامعت کرنا ''پیشاچ وواہ'' کہلاتا ہے۔''[100]

ڈاکٹر سید حامد حسین اس شادی کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سب سے گھٹیا وہ شادی ہے جسے کرنا اس وجہ سے ضروری ہو کہ کوئی شخص کسی عورت کی عزت پر اس کی رضامندی کے بغیر ایسی حالت میں ہاتھ ڈالے جب وہ سو رہی ہو، نشے میں ہو یا وہ دماغی خلل کا شکار ہو۔ اس قسم کی شادی کو اس بنا پر جائز تسلیم کرلیا گیا کہ مظلوم عورت کو بیوی کا درجہ حاصل ہو اور اس کی اولاد کو جائز قرار دیا جائے۔''[101]

''ارمغانِ وید'' کی عبارت اس بارے میں پختہ ثبوت پیش کرتی ہے:

''جب لڑکے اور لڑکی میں محبت پیدا ہوجائے، مگر لڑکی ہچکچاتی ہو تو لڑکے کو چاہیے کہ دیوالی کے موقعہ پر لڑکی کو نشہ آور شراب پلا کر کسی کونے میں لے جائے اور اس سے صحبت کرلے۔ پھر آگ کے آگے آکر اعلان کردے کہ دونوں نے شادی کرلی ہے اور پھر دونوں باقی رسوم ادا کریں۔''[102]

جبری آبروریزی کی صورت میں نکاح کے لزوم کا سبب

مختلف مذہبی کتابوں کے اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ زنا بالجبر بھی شادی کی ایک قسم ہے جو ہندو معاشرے میں رائج ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس مظلوم عورت کو عزت مل سکے اور اس کی اولاد کو باپ کا نام مل سکے اور جس لڑکی کی عصمت دری ہوجائے اس کو عزت دینے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ اسے اس زانی شخص کی بیوی بنادیا جائے۔ منو نے اپنی کتاب ''منودھرم شاستر'' میں شادی کے لیے عورت کا کنوارا ہونا ضروری قرار دیا ہے:

''شادی کے ان قوانین کا اطلاق فقط کنواریوں پر ہوتا ہے۔ کنوارپن کھو بیٹھنے والیوں کے لیے مردوں پر ان قوانین کی پابندی ضروری نہیں اس لیے کہ ایسی (عورتیں) مذہبی رسوم سے خارج ہیں۔ شادی کے قوانین اسی امر مسکت کا ثبوت ہیں (کہ کنواری کو قانونی) بیوی بنایا جارہا ہے۔ لیکن فاضلوں کو علم رہے کہ (شادی کی) رسم اگنی کے گرد ساتویں چکر پر مکمل ہوتی ہے۔''[103]

شادی بیاہ کی اقسام

منو نے نسلِ انسانی کو صفات کے لحاظ سے آٹھ قسموں میں تقسیم کیا ہے کیونکہ ویدوں کے ذریعہ انسان برہمن، کھشتری، ویش، شودر، اُسر، گندھرو، راکشس اور پشاچ جیسے صفات کے حامل ہونے سے آٹھ قسم کا ہے۔ یہ تقسیم نسلِ انسانی کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ ہر انسان جو روئے زمین پر موجود ہے وہ ان آٹھ درجوں میں سے کسی نہ کسی درجہ میں ضرور ہوگا اور انسانوں میں بیاہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

انسان کی اس تقسیم کی وجہ سے بیاہ کو بھی ہندو دھرم نے آٹھ قسموں میں تقسیم کیا ہے، جن کو ہندو دھرم کی تمام مذہبی وغیر مذہبی کتابوں نے بیان کیا ہے۔ مثلاً دیانند سرسوتی نے ان آٹھ قسموں کو اپنی کتاب[104] میں بیان کیا ہے:

① براہم: دلہا اور دلہن دونوں باقاعدہ مجرد رہ کر کامل تعلیم یافتہ، احکام شریعت کے پابند اور نیک سیرت ہوں۔ ان کا باہم رضامندی سے نکاح کیا جائے گا اسے ''براہم وواہ'' کہتے ہیں۔

② **دیو:** لڑکی کو زیوروں سے آراستہ کر کے کسی بڑی یگیہ میں رتوک کا کام کرتے ہوئے داماد کے سپرد کر دینا ''دیو وواہ'' کہلاتا ہے۔

③ **آرش:** دلہا سے کچھ لے کر شادی کرنا ''آرش وواہ'' کہلاتا ہے۔

④ **پرجاپت:** دھرم دین کی ترقی کو مدنظر رکھ کر شادی کرنا ''پرجاپت وواہ'' کہلاتا ہے۔

⑤ **آشر:** دلہا اور دلہن کو کچھ دے کر شادی کرنا ''آشر وواہ'' کہلاتا ہے۔

⑥ **گاندھرب:** بغیر کسی قاعدہ یا موقعہ کے کسی لڑکے لڑکی کے آپس میں مجامعت ہو جانا ''گاندھرب وواہ'' کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔

⑦ **راکشس:** جنگ کے ذریعے زبردستی یا فریب سے لڑکی حاصل کرنا ''راکشس وواہ'' کہلاتا ہے۔

⑧ **پیشاچ:** سوئی ہوئی یا شراب وغیرہ پی کر پاگل ہوئی لڑکی سے بالجبر مجامعت کرنا ''پیشاچ وواہ'' ہے۔

نیوگ: اولاد حاصل کرنے کا ناجائز طریقہ

دنیا کے تمام مذاہب (چاہے آسمانی ہوں یا غیر آسمانی) میں ہندومت ہی ایک ایسا نرالا مذہب ہے، جس کے دو فرقے مرد و عورت کو زنا کی زبردست ترغیب دلاتے ہیں اور زنا کا یہ انوکھا تعلق نہ مذہباً حرام ہے اور نہ قانوناً جرم ہے، بلکہ مذہب اور قانون اس کی پشت پناہی کرتے ہیں اور اس کے کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔

زنا کے اس ناجائز تعلق کو ہندو اصطلاح میں ''نیوگ'' کا نام دیا گیا ہے، جس کی عام فہم تعریف یہ ہے کہ اگر کسی عورت کے ہاں اولاد نہیں ہوتی یا اس کا شوہر مر گیا ہے تو وہ عورت اپنے دیور یا کسی اور رشتے دار سے صحبت کر کے اولاد حاصل کر سکتی ہے، مگر وہ اولاد پہلے خاوند کی شمار ہوگی نہ کہ نیوگ کرنے والے کی۔

نیوگ کا تذکرہ تقریباً تمام ہندو مذہبی کتابوں کیا گیا ہے مثلاً منوسمرتی میں ہے:

''اگر اولاد نہ ہو تو اپنے خاندان کے بزرگوں سے اجازت لے کر مالک (خاوند) کے خاندان کے رشتہ دار یا دیور سے اولاد پیدا کرے۔''(۱۰۵)

دیانند سرسوتی لکھتے ہیں:

''اگر حاملہ عورت سے ایک سال صحبت نہ کرنے کے عرصہ میں مرد یا دائم المرض کی عورت سے نہ رہا جائے تو کسی سے نیوگ کر کے اس کے لیے اولاد پیدا کرے۔''(۱۰۶)

محمد برہان الدین سنبھلی لکھتے ہیں:

''اگر مرد میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو عورت اپنے خاندان کے بزرگوں سے اجازت لے کر مالک (خاوند) کے خاندانی رشتے دار یا دیور سے اولاد پیدا کرے اور اس طریقے کو ''نیوگ'' کہتے ہیں اور اس طرح عورت میں ماں بننے کی صلاحیت نہ ہو تو خاوند اپنے باپ کے حکم سے بیوہ عورت سے اولاد پیدا کر سکتا ہے۔''(۱۰۷)

نیوگ زنا نہیں ہے

نیوگ کی تعریف سے یہی سمجھ آتا ہے کہ یہ زنا اور اولاد حاصل کرنے کا ایک ناجائز طریقہ ہے، مگر ہندو محققین اسے نہ تو زنا خیال کرتے ہیں اور نہ ہی اسے گناہ مانتے ہیں:

''جیسے بغیر بیاہے لوگوں کی (مجامعت) زنا کاری ہوتی ہے ویسے ہی جو نیوگ شدہ نہیں ان کی (مجامعت) زنا کاری کہلاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جیسا قواعد کے مطابق بیاہ ہونے پر زنا کاری نہیں کہلاتی تو باقاعدہ نیوگ ہونے پر زنا کاری نہ کہی جائے گی۔''(۱۰۸)

نیوگ سے حاصل ہونے والی اولاد کی تعداد

نیوگ سے حاصل ہونے والی اولاد کی تعداد بھی مقرر ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد عورت سے دس بچے پیدا کر سکتا ہے اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے:

''اے دیر یہ (نطفہ) عطا کرنے والے اصلی خاوند! تو اس بیاہتا عورت کو رتو دان (ہم بستری) سے با امید کر اور اس کو صاحبِ اولاد اور ہر قسم کے اعلیٰ سے اعلیٰ سکھ سے بہرہ ور کر۔ اس بیاہتا عورت سے دس اولاد پیدا کر لے اس سے زیادہ ہرگز پیدا نہ کر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایشور نے مرد کو صرف دس اولاد پیدا کرنے کی اجازت دی ہے۔''(۱۰۹)

نیوگ کے فوائد

دیانندسرسوتی نے نیوگ کے فوائد کا بھی تذکرہ کیا ہے:

''اس سے زنا کاری کا کم ہونا' محبت سے عمدہ اولاد ہوکر انسانوں کی ترقی ہونا ممکن ہے اور حمل کا اسقاط کرانا بالکل بند ہوجاتا ہے۔رذیل مردوں سے اعلیٰ عورت اور رنڈی وغیرہ سے اعلیٰ مردوں کی زنا کاری' اعلیٰ خاندان کا کلنک اور نسل کا قطع ہونا۔عورت مردوں کی تکلیف اور اسقاطِ حمل وغیرہ۔بدفعلیوں کا بیاہ' نیوگ سے دفعیہ ہوجاتا ہے اس لیے نیوگ کرنا چاہیے۔''(۱۰)

خلاصۂ بحث

ہندومت جو ایک غیر آسمانی مذہب ہے' دراصل مختلف رسوم ورواج اور ایک خاص طرزِ زندگی کا نام ہے۔اس میں شادی بیاہ کے بارے میں اگرچہ مفصل ہدایات ملتی ہیں' مگر ان کے قوانین ایسے پیچیدہ اور مشکل ہیں کہ ہندو عالم بھی ان کو سمجھنے سے قاصر نظر آتا ہے۔ہندومت میں شادی بیاہ کی تعلیمات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

① عورت کے بارے میں ان کا نظریہ یہ ہے کہ وہ مرد کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے اور اس کا کام مرد کو راحت دینے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ہندو معاشرہ میں عورت کو کوئی حق حاصل نہیں ہے۔شادی سے پہلے وہ باپ کی محکومیت میں ہوتی ہیں اور باپ جس سے چاہے اسے بیاہ دے۔شادی بیاہ جیسے اہم معاملے میں بھی اس کو حق رائے دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔شادی کے بعد شوہر اس کا مالک بن جاتا ہے اور بیوہ ہونے کی صورت میں ایک طرف جانوروں سے بھی بدتر زندگی ہوتی ہے اور دوسری طرف ستی یعنی شوہر کے ساتھ جل جانے کا موقع۔

② شادی بیاہ کے ایسے ایسے طریقے ہندو معاشرہ میں رائج ہیں جو زنا سے بھی گھٹیا ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ نیوگ کی صورت میں ناجائز اولاد حاصل کرنے کا طریقہ بھی ان میں رائج ہے اور مشترکہ بیویوں کا طریقہ بھی اس ہندو معاشرہ کی پہچان ہے۔

③ ایک طرف مرد کو تعدد ازدواج کی بغیر کسی حد بندی کے اجازت دی گئی ہے جبکہ

دوسری طرف عورت بیچاری کو شوہر کے مرنے کے بعد بھی دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے' حالانکہ ہندو مذہب عورت کی دوسری شادی کی اجازت دیتا ہے۔

④ زنا کے بارے میں تو ان کے قوانین جنگل کے قوانین کی طرح ہیں کہ ہندو معاشرہ میں طاقتور اور اعلیٰ ذات کا مرد و عورت زنا کریں تو ان کے لیے کوئی سزا نہیں ہے اور اگر کم ذات مرد و عورت زنا کریں تو ان کو سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے۔

⑤ ہم نے اس مضمون میں تفصیلاً یہ بیان کیا کہ ہندو معاشرہ نے جواز دواجی قوانین اور رسم و رواج بنائے ہیں وہ ان کے مذہب کے بھی خلاف ہیں۔ہندو مذہب اور ہندو معاشرہ دونوں مخالف سمتوں میں چلتے نظر آرہے ہیں۔

الغرض ہندو مذہب اور معاشرہ کے جتنے بھی ازدواجی قوانین ہیں وہ سب ہی افراط وتفریط کا شکار ہیں اور ہندو معاشرہ میں رہنے والے لوگ بھی ان قوانین سے عاری نظر آتے ہیں۔

حواشی (باب دوم)

① منوسمرتی' باب۵:۴۵۔
② روزنامہ نوائے وقت' ۵نومبر ۱۹۸۸ء۔
③ منوسمرتی' ادھیائے ۳' اشلوک ۱۳-۱۴' ص ۳۹۔
④ منوسمرتی' ادھیائے ۳' اشلوک ۱۵' ص ۴۰۔
⑤ منوسمرتی' ادھیائے ۳' اشلوک ۵' ص ۳۸۔
⑥ ستیارتھ پرکاش' ص ۱۰۱-۱۰۲۔
⑦ ستیارتھ پرکاش' ص ۱۰۲-۱۰۳۔
⑧ سنسکار ودھی' ص ۱۰۱۔
⑨ منودھرم شاستر' باب ۳' اشلوک ۸۔
⑩ ستیارتھ پرکاش' ص ۱۰۳-۱۰۴۔

(۱۱) قانون ورواج ہنود، ص ۱۵۰۔

( ) پنجاب کے رسم ورواج کا انسائیکلوپیڈیا، ص ۸۲۔

(۱۲) ایضاً، ص ۸۷۔

(۱۳) ایضاً، ص ۸۰۔

(۱۴) ایضاً، ص ۸۱۔

(۱۵) ایضاً، ص ۸۲۔۸۳۔

(۱۶) منودھرم شاستر، باب ۹، اشلوک ۹۹۔

(۱۷) پنجاب کے رسم ورواج کا انسائیکلوپیڈیا، ص ۸۸۔

(۱۸) ایضاً، ص ۸۴۔۸۵۔

(۱۹) ستیارتھ پرکاش، ص ۱۰۴۔

(۲۰) منوسمرتی، ادھیائے ۹، اشلوک ۹۳، ص ۱۸۴۔

(۲۱) ہندوستانی تہذیب کی داستان، ص ۲۴۱۔

(۲۲) ایضاً، ص ۲۴۲۔

(۲۳) قانون ورواج ہنود، ص ۱۳۹۔۱۴۰۔

(۲۴) ہندوستانی تہذیب کی داستان، ص ۲۴۲۔

(۲۵) ستیارتھ پرکاش، ص ۱۰۵ تا ۱۰۷۔

(۲۶) قانون ورواج ہنود، ص ۱۴۰۔

(۲۷) ایضاً۔

(۲۸) ستیارتھ پرکاش، ص ۱۰۷۔

(۲۹) منودھرم شاستر، باب ۵: ۱۴۹، ص ۱۳۳۔

(۳۰) تمدن ہند، ص ۴۶۹۔

(۳۱) تاریخ تمدن ہند، ص ۵۷۔

(۳۲) سنسکاروِدھی، ص ۳۴۷۔

(۳۳) ایضاً، حاشیہ ص ۳۴۷۔

(۳۴) ایضاً، ص ۳۴۷۔۳۴۸۔

(۳۵) ہندوستانی تہذیب کی داستاں، ص ۲۴۳۔

(۳۶) سنسکاروِدھی، ص ۳۶۴ تا ۳۶۸۔

(۳۷) ایضاً، حاشیہ ص ۳۶۸۔

(۳۸) ہندوستانی تہذیب کی داستاں، ۲۴۳۔

(۳۹) سنسکاروِدھی، ص ۳۷۷۔

(۴۰) سنسکاروِدھی، ص ۳۹۷۔

(۴۱) ایضاً، ص ۴۰۲۔

(۴۲) ایضاً، ص ۴۰۱۔

(۴۳) سنسکاروِدھی، حاشیہ ص ۴۰۸۔

(۴۴) ایضاً، ص ۴۰۸۔

(۴۵) ہندوستانی تہذیب کی داستاں، ص ۲۴۳۔

(۴۶) سنسکاروِدھی، ص ۴۱۰۔

(۴۸) پنجاب کے رسم ورواج کا انسائیکلوپیڈیا، ص ۱۰۰۔۱۰۱۔

(۴۹) سنسکاروِدھی، ص ۴۱۸۔

(۵۰) ص ۹۳ تا ۱۰۲۔

(۵۱) کتاب الہند، ص ۳۴۶۔

(۵۲) شادی ایک مطالعہ، ص ۱۸۱۔

(۵۳) ارمغان وید، ص ۱۳۶۔۱۳۷۔

(۵۴) کتاب الہند، ص ۳۴۶۔۳۴۷۔

(۵۵) ستیارتھ پرکاش، باب ۴، ص ۱۴۳۔

(۵۶) ایضاً، ص ۱۴۳۔

(۵۷) تمدنِ ہند، ص ۲۴۵۔

(۵۸) قانون ورواجِ ہنود، ص ۱۴۲۔

(۵۹) مسلم ثقافت ہندوستان میں، ص ۲۹۔

(۶۰) ضیاء النبی ﷺ جلد اول، ص ۲۲۵۔

(۶۱) تاریخ ہندوستان، ص ۳۴۶۔

(۶۲) ضیاء النبی ﷺ جلد اول، ص ۲۲۵۔

(۶۳) ارمغان وید، ص ۱۳۷۔

(۶۴) ارمغان وید، ص ۱۳۷۔

(۶۵) ضیاء النبی ﷺ جلد اول، ص ۱۹۴۔

(۶۶) قانون ورواجِ ہنود، ص ۹۵۔

(۶۷) ارمغانِ وید، ص ۱۳۷۔

(۶۸) قانون ورواجِ ہنود، ص ۹۵۔

(۶۹) ارمغان وید، ص ۱۳۷۔

(۷۰) منوسمرتی، باب ۵، ۱۵۵ تا ۱۵۷۔

(۷۱) تاریخِ ہندوستان، ص ۳۰۴۔

(۷۲) تاریخ تمدنِ ہند، ص ۱۲۳۔

(۷۳) ہندوستانی تہذیب کی داستان، ص ۲۷۰۔

(۷۴) تمدن ہند، ص ۴۷۰۔

(۷۵) ہندوستانی تہذیب کی داستان، ص ۲۷۱۔

(۷۶) ہندوستان، ص ۱۲۶۔

(۷۷) تمدن ہند، ص ۴۷۰۔

(۷۸) ایضاً، ص ۴۷۱۔

(۷۹) تاریخ اسلام، جلد ۱، ص ۹۔

(۸۰) منوسمرتی، باب ۵، ۱۵۵ تا ۱۵۷۔

(۸۱) رگ وید، ادھیائے ۸، اشٹک ۳، ورگ ۲۷، منتر ۱۴۔

(۸۲) اتھروید، کانڈ ۱۸، اندک ۳، واگ منتر ا۔

(۸۳) قانون ورواج ہنود، ص ۱۴۲۔۱۴۳۔

(۸۴) قانون ورواج ہنود، ص ۱۴۷۔

(۸۵) منودھرم شاستر، باب ۸، اشلوک ۳۵۶، ص ۲۰۰۔

(۸۶) ایضاً، باب ۸، اشلوک ۳۶۴، ص ۲۰۰۔

(۸۷) ایضاً، باب ۸، اشلوک ۳۵۷، ص ۲۰۱۔

(۸۸) منومہاراج، منوسمرتی، ادھیائے ۸، اشلوک ۳۵۸، ص ۲۰۰۔

(۸۹) منوکا قانون اور اسلامی قانون، ص ۴۷۔

(۹۰) منودھرم شاستر، باب ۸، اشلوک ۳۶۶، ص ۲۰۱۔

(۹۱) منودھرمشاستر، باب ۸، اشلوک ۳۶۸۔۳۶۹، ص ۲۰۲۔

(۹۲) منودھرم شاستر، باب ۸، اشلوک ۳۷۰۔۳۷۱، ص ۲۰۲۔

(۹۳) ستیارتھ پرکاش، ص ۲۲۴۔

(۹۴) منوسمرتی، ادھیائے ۸، اشلوک ۳۷۱۔۳۷۲، ص ۱۷۲۔

(۹۵) ایضاً، ادھیائے ۱۱، اشلوک ۱۳۹، ص ۲۶۶۔

(۹۶) منودھرم شاستر، باب ۸، اشلوک ۳۵۵، ص ۲۰۰۔

(۹۷) مسلم ثقافت ہندوستان میں، ص ۲۲۶۔۲۲۷۔

(۹۸) ارمغان وید، ص ۱۴۵۔

(۹۹) ضیاء النبی ﷺ جلد اول، ص ۱۹۳۔

(۱۰۰) ستیارتھ پرکاش، ص ۱۱۷۔

(۱۰۱) ہندوفلسفہ مذاہب اور نظام معاشرت، ص ۶۰۔۵۹۔

(۱۰۲) ارمغان وید، ص ۱۴۵۔

(۱۰۳) منودھرم شاستر، اشلوک ۲۲۷۔۲۲۶۔

(۱۰۴) ستیارتھ پرکاش، ص ۱۱۷۔

(۱۰۵) منوسمرتی، ادھیائے ۹، اشلوک ۵۸، ص ۱۸۱۔

(۱۰۶) ستیارتھ پرکاش، ص ۱۳۰۔

(۱۰۷) معاشرتی مسائل، ص ۸۴۔

(۱۰۸) ستیارتھ پرکاش، ص ۱۴۶۔

(۱۰۹) رگ وید، مترجم نہال سنگھ، ص ۱۴۷۔

(۱۱۰) ستیارتھ پرکاش، ص ۱۴۷۔

باب سوم

یہودیت

میں شادی بیاہ کی تعلیمات

یہودیت میں
شادی بیاہ کی تعلیمات

یہودیت کا شمار دنیا کے ان مذاہب میں ہوتا ہے جنہوں نے صرف عقائد ونظریات ہی پیش نہیں کیے' بلکہ ان کی بنیاد پر زندگی کے عملی مسائل سے بھی تفصیلی بحث کی ہے اور زندگی کے مختلف پہلوؤں میں رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ لہٰذا اس مذہب اور اس کے پیروکاروں سے توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ صحیح اور فطرتی طور پر مرد وعورت کے تعلقات کو متعیّن کریں گے اور افراط وتفریط سے کنارہ کش رہیں گے' لیکن افسوس کہ وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور باقی معاملات کی طرح شادی بیاہ کے معاملات میں بھی افراط و تفریط سے نہ بچ سکے۔

یہودیت ایک آسمانی مذہب ہے اور اس کے پیروکاروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات وتعلیمات سے نوازا گیا' لیکن ان کے پیروکاروں نے اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا اور ان میں تحریفات کر ڈالیں۔

یہودیت کے ازدواجی نظام پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں عورت کا مقام نہایت پست ہے اور اس کی وجہ خودساختہ نظریہ ہے کہ حضرت حوّا نے حضرت آدمؑ کو ممنوعہ پھل کھانے پر اُکسایا اور اسی وجہ سے وہ جنت سے نکالے گئے۔ اسی کی وجہ سے عورت کو مرد کی غلامی' حیض جیسی ناپاکی اور حمل کے درد کی سزا ملی۔ کتاب مقدس میں ہے:

''میں تیرے دردِ حمل کو بڑھاؤں گا۔ تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔''①

''تمدّنِ عرب'' میں یہودی معاشرہ میں عورت کی حیثیت ان سخت الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

''گھوڑا اچھا ہو یا برا اسے مہمیز کی ضرورت ہے اور عورت اچھی ہو یا بری اسے مار کی ضرورت ہے۔''②

جس مذہب اور معاشرہ میں عورت کو اس نگاہ سے دیکھا جاتا ہو تو اس میں بیوی کو کیا حقوق حاصل ہوں گے' اس کا اندازہ اس بات سے ہو جائے گا کہ بیوی کا کام خاوند کی خدمت کرنا اور اولاد پیدا کرنا ہے۔ اگر کسی کے ہاں کئی سال تک اولاد نہ ہو تو وہ بلا جھجک دوسری شادی کر سکتا ہے اور اس کام کے لیے اسے اپنی بیوی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ کتاب مقدس میں ہے:

''بیویاں کرو تا کہ تم سے بیٹے بیٹیاں پیدا ہوں اور اپنے بیٹوں کے لیے بیویاں لاؤ اور اپنی بیٹیاں شوہروں کو دو تا کہ ان سے بیٹے بیٹیاں پیدا ہوں اور تم پھلو پھولو اور کم نہ ہو۔''③

نکاح کے قانون کی طرح طلاق کا قانون بھی یہودی روایات میں عورت کی مظلومیت کی داستاں سناتا ہے۔ یہودی مرد جب چاہتے چھوٹی سی لغزش پر طلاق دے دیتے اور ان کو یہ حق مذہب نے دیا تھا۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد:

''یہودیوں کو ان کے مذہبی تعلیمات کے ذریعے سے یہ حقوق حاصل ہیں کہ وہ جب چاہیں ایک ادنیٰ سی لغزش پر عورت کو گھر سے نکال باہر کر سکتے ہیں۔''④

اگر کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو اسے دوسری شادی کا حق تو تھا' مگر صرف اپنے شوہر کے بھائی سے۔ اس کے علاوہ وہ کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی تھی اور اسے اس شادی پر مجبور کیا جاتا تھا۔

یہودیت میں تعدّدِ ازدواج کی اجازت بھی تھی' لیکن اس کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔ ایک مرد جتنی چاہتا شادیاں کر سکتا تھا۔ سید امیر علی لکھتے ہیں:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے پہلے بنی اسرائیل کے یہاں تعدد ازدواج کا دستور تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے قائم رہنے دیا یہاں تک کہ انہوں نے اس کی کوئی حد مقرّر نہ کی کہ ایک یہودی مرد بیک وقت کتنی عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا تھا۔''⑤

منگنی کا تصوّر

یہودیت میں بھی منگنی کا تصور پایا جاتا ہے اسی لیے یہودیت میں بھی شادی کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک منگنی اور ایک مکمل شادی۔ منگنی شادی کے اعلان کے طور پر استعمال کی جاتی ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ ان کی شادی عنقریب ہونے لگی ہے۔

Jewish Encyclopedia میں ہے:

> According to Jewish practice since early times, there are two stages in the marriage ceremony: betrothal and M.Betrothal (erusin or kiddushin) is the ceremony whereby a woman becomes the wife of betrother (betrothed), so that she may be married to no one else (unless her husband die or divorce her).[6]

> ''یہودی معاشرہ کے مطابق شروع سے ہی شادی کے دو مراحل ہیں: betrothal یعنی منگنی اور M.betrothal یعنی شادی۔ یہ وہ تقریب ہے جب ایک عورت اپنے منگیتر کی بیوی بنتی ہے اور پھر وہ عورت (اپنے شوہر کے مرنے یا طلاق کے بغیر) کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی۔''

یہودیوں میں منگنی تین قسم یا تین طریقوں سے ہوتی ہے:

① ایک منگنی یہ ہوتی ہے کہ لڑکا منگنی کے طور پر لڑکی کو کچھ رقم دے دیتا ہے اور یہ رقم علامت ہوتی ہے اس بات کی کہ ان کی آپس میں منگنی ہو گئی ہے اور یہ اب قانوناً ایک دوسرے کے منگیتر ہیں۔ زیادہ تر اس قسم کی منگنی میں پیسے کے بجائے انگوٹھی دی جاتی ہے جو منگنی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

② منگنی کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی آپس میں ایک معاہدہ کر کے لکھ لیتے ہیں اور یہ لکھا ہوا معاہدہ ان کی منگنی کی علامت ہوتا ہے۔

③ منگنی کا تیسرا طریقہ یہودی معاشرہ میں بہت کم پایا جاتا ہے اس میں لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے ساتھ جنسی میل ملاپ کر لیتے ہیں اور یہی ان کی منگنی شمار ہوتی ہے۔

> The Mishna describes three ways of contracting betrothal (tractate Kiddushin 1:1): 1. With money (as when a man hands a woman an object of value, such as a ring or a coin, for the purpose of contracted marriage, and in the presence of two witnesses, and she actively accepts); 2. Through a shtar, a contract containing the betrothal declaration phrased as "through this contract"; or 3. By sexual intercourse with the intention of creating a bond of marriage, a method strongly discouraged by the rabbinic sages and intended only for levirate marriages.[7]

> ''مشنا نے منگنی کے تین طریقے بیان کیے ہیں: ① پیسے کے ذریعے (جب ایک مرد کسی عورت کو دو گواہوں کے سامنے کوئی قیمتی چیز مثلاً انگوٹھی یا پیسے' شادی کے معاہدہ کے طور پر دیتا ہے اور وہ عورت اسے قبول کر لیتی ہے۔) ② معاہدہ کے ذریعے اور یہ معاہدہ ان کی منگنی کی علامت ہوتا ہے۔ ③ جنسی میل ملاپ کے ذریعے یعنی اس نیت سے جنسی میل ملاپ کرنا کہ یہ شادی کا معاہدہ ہے۔ اس طریقہ کو سمجھ دار راہب اچھا خیال نہیں کرتے اور یہ صرف صلہ رحمی کی شادی میں ہی مستعمل ہے۔''

Jewish Encyclopedia میں بھی منگنی کے ان تینوں طریقوں کو بیان کیا گیا ہے:

> This ceremony must take place before witnesses and legally may be performed in one of three ways: (1) By money: i.e. the betrother gives the woman a symbolic sum or its equivalent as a token of betrothal. (2) By deed: i.e. the betrother gives the woman a document conforming the betrothal in writing. (3) By intercourse: the betrother enters a private chamber with the woman informing witnesses beforehand that the intercourse which will be take place is to be considered an act of betrothal.[8]

> ''یہ تقریب گواہوں کے سامنے اور تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے

منعقد ہوتی ہے: ① پیسے کے ذریعے۔ یعنی منگیتر عورت کو پیسے یا کوئی قیمتی چیز منگنی کی علامت اور یادگار کے طور پر دیتا ہے۔ ② معاہدہ کے ذریعے۔ یعنی منگیتر عورت کو معاہدہ کے لکھے ہوئے کاغذ منگنی کے طور پر دیتا ہے۔ ③ جنسی میلاپ کے ذریعے۔ یعنی منگیتر عورت کو ایک الگ کمرہ میں جنسی میل ملاپ کے لیے لے جاتا ہے اور گواہوں کو پہلے سے بتا دیا جاتا ہے کہ یہ میل ملاپ جو ہمارے درمیان ہونے والا ہے وہ منگنی کے طور پر ہے۔''

Jewish Encyclopedia میں منگنی کے ان تینوں طریقوں کو بیان کر کے ان پر خوبصورت انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا کہ ان تین طریقوں میں سے آخری طریقہ کو تو قدیم یہودی علماء نے ناجائز قرار دیا ہے اور دوسرا طریقہ یہودی معاشرہ میں بہت کم پایا جاتا ہے اور یہودی معاشرہ میں پہلا طریقہ ہی زیادہ تر رائج ہے کہ انگوٹھی یا رقم کے ذریعے کسی سے منگنی کرنا:

Early teachers disapproved of this last manner of betrothal and it is not found as a Jewish practice. The second manner of betrothal is very rare nowadays. The most common manner today, as always, is the first mentioned. Betrothal is performed by the man, but has no validity unless the woman gives her consent.[9]

''قدیم یہودی علماء نے شادی کے آخری طریقہ کو قبول نہیں کیا اور یہ یہودیوں میں رائج نہیں ہے۔ شادی کا دوسرا طریقہ بھی آج کل بہت کم ہے۔ آج کل اور ہمیشہ سے پہلا طریقہ ہی رائج ہے۔ شادی میں زیادہ کردار مرد ہی کا ہے لیکن عورت کی رضامندی کے بغیر اس شادی کی کوئی وقعت نہیں ہے۔''

شادی کی عمر

شادی کی کم از کم عمر کیا ہونی چاہیے؟ اس بارے میں کوئی واضح ثبوت یہودیت میں نہیں ملتا' البتہ تالمود کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے لیے کم از کم عمر ۱۲ سال ہونی چاہیے۔ مولانا ظفیر الدین یہودیت کے قانونِ ازدواج کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہودی قانون میں ہے کہ جس کی لڑکی بارہ سال کی ہو جائے اور وہ اس کی شادی نہ کرے اور اس لڑکی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ گناہ اس شخص پر ہوگا۔''[10]

نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودیت میں شادی کی کم از کم عمر ۱۲ سال ہے اور اگر کوئی شخص اپنی بیٹی کا بیاہ اس عمر میں نہیں کرتا تو اس کے گناہ کے ذمہ دار لڑکی کے والدین بھی ہوں گے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

''تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی لڑکی کی عمر بارہ سال کی ہو جائے اور وہ کفو پانے کے باوجود اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکی برائی یعنی بدکاری وغیرہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے۔''[11]

لڑکی کی عمر کا تو پتا چل گیا کہ کم از کم بارہ سال کی لڑکی کا نکاح کیا جا سکتا ہے جبکہ مرد کی عمر کے بارے میں یہ ہے کہ اس کی شادی کی نارمل عمر ۱۸ سال ہے:

''عدالت ہر مرد کو جس کی عمر ۲۰ سال سے زیادہ ہو جائے' شادی کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ ''تالمود کے احکامات'' میں مرد کی شادی کی نارمل عمر ۱۸ سال اور عورتوں کی ۱۳ سال مقرر کی گئی ہے' لیکن یہودیوں کے ہاں عملاً شادیاں اس سے کم عمر میں بھی ہوتی رہی ہیں۔ تیرہویں صدی میں یہودی لڑکیوں کی شادیاں بلوغت سے پہلے کر دی جاتی تھیں اور سترہویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں دُلہا دس سال کی عمر کو بھی نہیں پہنچتا تھا کہ اس کی شادی ہو جاتی تھی اور دلہن کی عمر اس سے بھی کم ہوتی تھی۔''[12]

شادی کا اجمالی خاکہ

رشید احمد نے اپنی کتاب ''تاریخِ مذاہب'' میں یہودیوں کی شادی کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔ موضوع کی مناسبت سے اسے ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے:

''یہودیوں میں شادی کا طریقہ بہت سادہ اور دلچسپ ہے۔ منگنی کا اعلان شادی سے پہلے کر دیا جاتا ہے۔ شادی کے دن روزہ رکھنے کو مستحسن سمجھا جاتا ہے۔ شادی

کی رسم سہ پہر کو مجلس میں ادا کی جاتی ہے، جس میں کم از کم دس بالغوں کی موجودگی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ مجلس کی عمارت میں ایک ریشمی کپڑے کا شامیانہ تیار کیا جاتا ہے۔ جس میں دلہا دلہن کے ہمراہ آتا ہے۔ راہب (یہودی عالم) ایک گلاس میں شراب لیتا ہے اور زوجین کے حق میں دعا کرتا ہے۔ پھر اس گلاس کو دلہا دلہن کو دے دیتا ہے۔ یہ لوگ شراب چکھتے ہیں۔ پھر دلہا دلہن کی انگلی میں انگوٹھی پہناتے ہوئے عبرانی زبان میں کہتا ہے: دیکھو تم اس انگوٹھی کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اسرائیل کی رسوم کے مطابق میرے ساتھ منسوب ہو چکی ہو۔ پھر شادی کے عہد نامے کو آرامی زبان میں ربی با آواز بلند پڑھتا ہے۔ اس کے بعد شراب کا ایک گلاس لیتا ہے اور دعا کر کے پھر زوجین کو دیتا ہے جسے وہ دونوں چکھ لیتے ہیں۔ خالی گلاس فرش پر رکھ دیا جاتا ہے جسے نوشہ (دُلہا) توڑ دیتا ہے اور حاضرین میزل تاوَ (mezal tov) یعنی خوش قسمت چلاتے ہیں۔''[13]

شادی کے دن کی تفصیل

یہودیت کے ازدواجی نظام کے متعلق بہت کم معلومات ملتی ہیں اس لیے ان کے ازدواجی نظام کو تفصیلاً ذکر کرنا ممکن نہیں ہے —— ذیل میں ہم شادی کے دن کی ترتیب کو بیان کرتے اور ان رسومات کا جائزہ لیتے ہیں جن کو یہودی اپنی شادیوں میں ادا کرتے ہیں۔ ان رسومات میں سے بعض مذہبی رسومات ہیں اور بعض معاشرتی، لیکن کسی غیر یہودی کے لیے ان میں فرق کرنا بہت مشکل ہے۔

شادی کے دن روزہ رکھنا

یہودی شریعت میں شادی کے دن روزہ رکھنا بہت اچھا اور مستحسن خیال کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم رہے کہ شادی صرف خوشی منانے کا ذریعہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک مذہبی فریضہ بھی ہے۔ اس مذہبی فریضہ کو یاد دلانے کے لیے شادی کے دن روزہ رکھنے کو مستحسن قرار دیا گیا ہے:

> Both bride and groom fast (do not eat) until after the ceremony, even though a wedding is a joyous

> occasion it is also solemn and the fasting serves to remind them of this.[14]

''دلہا اور دلہن دونوں شادی کی تقریب کے اختتام تک روزہ کی حالت میں ہوتے ہیں (یعنی کچھ نہیں کھاتے)۔ (اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ) شادی خوشی کے ساتھ ایک سنجیدہ اور مذہبی کام بھی ہے اور یہ روزہ اس مذہبی نوعیت کو یاد دلاتا ہے۔''

Jewish Encyclopedia میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شادی کے دن روزہ رکھا جاتا تھا اور جب شادی کی رسم مکمل ہو جاتی تو وہ دونوں ایک الگ کمرہ میں جا کر اکٹھے روزہ افطار کرتے ہیں یعنی مل کر کچھ کھاتے ہیں۔

> The bride and groom usually fast until after the ceremony and immediately after the ceremony go into a seperate room where they eat together.[15]

''دلہا اور دلہن شادی کی تقریب کے اختتام تک روزہ کی حالت میں ہوتے ہیں اور تقریب کے فوراً بعد ایک الگ کمرہ میں جا کر اکٹھے کچھ کھاتے ہیں۔''

رشید احمد نے بھی اپنی کتاب[16] میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ یہودیت میں شادی کے دن روزہ رکھنا مستحسن سمجھا جاتا ہے۔

ان اقتباسات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ شادی کے دن روزہ رکھنا یہودی شریعت میں کافی اہمیت رکھتا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ روزہ سے لوگوں کو یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ شادی صرف خوشی منانے کی رسم نہیں ہے بلکہ یہ ایک مذہبی رسم بھی ہے اور روزہ شادی کے مذہبی رسم ہونے کی ایک علامت ہے۔

شامیانہ/Kuppah

یہودی شادی کا ایک لازمی جزء ''شامیانہ'' ہے جس میں شادی کی تمام تقریب وقوع پذیر ہوتی ہے۔ یہودی اصطلاح میں اسے ''Kuppah / Chuppah'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ چار ستونوں سے بنا ایک خیمہ ہوتا ہے جس کے نیچے شادی کی تقریب کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جاتا ہے۔ یہ شامیانہ اس گھر کی علامت ہوتا ہے جس میں ان دونوں نے شادی کے بعد مل کر رہنا ہے اور جہاں ان کی اپنی مرضی چلے گی۔

The marriage takes place under a Chuppah, a canopy held up by four poles. The Chuppah is a symbol of their new life together in their own dwelling.[16]

’’شادی ایک chuppah یعنی ایک خیمہ کے نیچے ہوتے ہے جس کے چار ستون ہوتے ہیں۔ یہ خیمہ ان کی اپنے گھر کے اندرا کھٹے رہنے والی نئی زندگی کی علامت ہے۔‘‘

اس شامیانہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بعض دفعہ شادی کی تقریب کو اس شامیانہ سے موسوم کیا جاتا ہے:

The bride and groom stand beneath the chuppah, a canopy held up by four poles, symbolic of their dwelling together and of the husband's bringing the wife into his home. The importance of the chuppah is so great that the wedding ceremony is sometimes referred to as the chuppah.[18]

’’دُلہا اور دلہن ایک chuppah یعنی ایک خیمہ کے نیچے کھڑے ہوتے ہے جس کے چار ستون ہوتے ہیں۔ یہ خیمہ ان کی اکھٹے رہنے والی زندگی اور شوہر کے دلہن کو اپنے گھر لانے کی علامت ہے۔ اس خیمہ کی اتنی اہمیت ہے کہ بعض اوقات شادی کی تقریب کو اس خیمہ سے ہی منسوب کر دیا جاتا ہے۔‘‘

اس شامیانہ میں جانے سے پہلے دُلہا باراتیوں کے ساتھ مل کر خوشی کے گیت گاتا ہے اور دلہن جب اس شامیانہ میں داخل ہوتی ہے تو اس کا چہرہ نقاب (گھونگھٹ) سے ڈھانپا ہوا ہوتا ہے۔ اس شامیانہ کا مقصد بعض لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ اس سے دلہن اور دلہا پر سایہ کیا جاتا ہے اور بعض لوگوں کے مطابق اس کا مقصد یہ ہے کہ گواہ اچھی طرح زوجین کو دیکھ لیں:

Before going under the chuppah the groom, amidst joyous singing of the guests, covers the bride's face with a veil. This ceremony is called Badeken or Bedekung, and is at least 600 years old. The origin of

this tradition is in the dispute of what exactly is the chuppah. There are opinions that the chuppah means covering the bride's face, and that by this covering the couple is getting married. This opinion is based on the Verse: “Then she took her veil and covered herself.” (Genesis, 24, 65) in which Rebekah meets Isaac. Some are strict to make sure that the witnesses will see the covering, for them to actually be considered as witnessing the marriage.[19]

’’خیمہ کے نیچے جانے سے پہلے دلہا مہمانوں کے درمیان کھڑا ہو کر خوشی کے گانے گائے گا جبکہ دلہن کا چہرہ ایک نقاب (گھونگھٹ) سے ڈھانپا جائے گا۔ اس تقریب (رسم) کو ’’Bedeken یا Bedekung‘‘ کہا جاتا ہے اور یہ رسم چھ سو سال پرانی ہے۔ اس رسم کی بنیاد یا حقیقت اس تنازع پر ہے کہ chuppah اصل میں کیا چیز ہے۔ اس بارے میں کئی رائے ہیں: chuppah کا مطلب ہے دلہن کے منہ کو چھپانا یا پھر اس غلاف کا مطلب ان کی شادی ہے۔ یہ رائے (توراۃ کی) ایک آیت کی بنیاد پر ہے: ’’تب اس نے نقاب سے اپنے آپ کو چھپا لیا‘‘ جب ربقہ اسحاق سے ملنے گئی۔ بعض لوگ اس معاملے میں شدت کے قائل ہیں‘ وہ کہتے ہیں کہ گواہوں کو اس پردہ کو ضرور دیکھنا چاہیے تب جا کر وہ شادی کے گواہ تسلیم ہوں گے۔‘‘

دس آدمیوں کی موجوگی میں شادی

یہودی شادی کے لیے ایک اور لازمی امر یہ ہے کہ اس تقریب میں کم از کم دس لوگ ضرور موجود ہوں جن کے موجودگی میں نکاح کی یہ تقریب مکمل کی جا سکے۔ یہ دس لوگ اس شادی کے گواہ ہوں گے کہ اگر کوئی عدالتی مسئلہ پیش آ جائے تو ان گواہوں سے شہادت لی جائے گی —— ان میں ایک ’’راہب/Rabbi‘‘ بھی ہونا چاہیے جو توراۃ کی کچھ آیات اور دعاؤں کو تلاوت کرے گا اور اس نئے جوڑے کو خدا کی رحمت کی دعا دے گا۔ Jewish Encyclopedia میں ہے:

Ten people are normally required to be present. One of these usually a rabbi, recites the blessing of erusin.[20]

''(شادی کے موقع پر) دس آدمیوں کی موجودگی ضروری ہے جن میں سے ایک راہب (یہودی عالم) ہو جو تورات میں سے دعائیں پڑھے۔''

انگوٹھی: رضامندی کی علامت

یہودی شادی کی ایک اہم رسم ''انگوٹھی پہنانے'' کی ہے۔ یہ انگوٹھی دُلہا دلہن کی رضامندی کی علامت سمجھی جاتی ہے اور اس انگوٹھی کے بارے میں قاعدہ ہے کہ یہ سونے کی ہو اور اس میں کوئی نگینہ یا پتھر جڑا ہوا نہ ہو۔

The groom places the ring on the bride's finger saying "with this ring you are sanctified to me according to the Law of Moses and Israel".[21]

''دُلہا دلہن کو انگوٹھی پہناتا ہوئے یہ کہے: ''حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور اسرائیل کے قانون کے مطابق اس انگوٹھی کے ذریعے تم میرے لیے پاک کر دی گئی ہو۔''

دُلہا یہ انگوٹھی دلہن کی انگلی میں ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے موسیٰ (علیہ السلام) اور اسرائیل کے قانون کے مطابق اس انگوٹھی کے ذریعے تمہیں اپنایا۔ تو دلہن اس انگوٹھی کو قبول کر لیتی ہے اور اس طرح اس کی رضامندی معلوم ہو جاتی ہے۔

At the giving of the ring the groom (chatan) makes a declaration "You are consecrated to me, through this ring, according to the religion of Moses and Israel." Traditionally there is no verbal response on the part of the bride. She accepts the ring on her finger, and closes her hand, signifying acceptance.[22]

''دُلہا دلہن کو انگوٹھی پہناتا ہوئے یہ کہے: ''حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور اسرائیل کے مذہب کے مطابق اس انگوٹھی کے ذریعے تم میرے لیے پاک کر دی گئی ہو''۔ معاشرتی روایات کے طور پر دلہن کے اس پر کئی ردعمل ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ اس انگوٹھی کو اپنی انگلی میں پہنے اور اپنے ہاتھوں کو بند کر لے تو یہ اس کی

رضامندی کی علامت ہے۔''

Jewish Encyclopedia میں بھی اس رسم کا تذکرہ کیا گیا ہے:

The groom places a gold ring without a stone upon the finger of the bride saying as he does so "I betreth you (literally: you are hereby sanctified into me) with this ring in accordance with the religion of Moses and Israel".[23]

''دُلہا سونے کی انگوٹھی بغیر کسی نگینہ یا پتھر کے، دلہن کی انگلی میں یہ کہتے ہوئے پہناتا ہے: ''میں نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور اسرائیل کے مذہب کے مطابق اس انگوٹھی کے ذریعے تمہیں اپنی بیوی بنایا ہے (یعنی تم میرے اندر سما گئی ہو)۔''

یہودیت میں شادی کی رضامندی اس انگوٹھی کی رسم سے ہی معلوم کی جاتی ہے۔ اگر دلہن انگوٹھی پہن لے اور پہننے کے بعد اپنے ہاتھوں کو جوڑ لے تو اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ لڑکی اس شادی پر راضی ہے۔

نکاح نامہ/Ketubah

یہودی شادی میں نکاح نامہ بھی بہت اہمیت کا حامل ہے اس کے بغیر شادی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس نکاح نامہ کو یہودی اصطلاح میں ''Ketubah'' کہا جاتا ہے۔ یہ تین لفظوں (kaf-tav-beit) سے مل کر بنا ہے جس کا معنی ہے ''لکھا ہوا۔''

As part of the wedding ceremony, the husband gives the wife a ketubah. The word "Ketubah" comes from the root Kaf-Tav-Beit, meaning "writing". The ketubah is also called the marriage contract.[24]

''شادی کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ شوہر اپنی ہونے والی بیوی کو ketubah (نکاح نامہ) دیتا ہے۔ ketubah اصل میں kaf-tav-beit سے بنا ہے جس کے معنی ''لکھے ہوئے'' کے ہیں۔ اس ketubah کو شادی کا معاہدہ بھی کہا جاتا ہے۔''

اس نکاح نامہ میں دُلہا یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو مہر دے گا جو طلاق یا اس

کے مرنے کی صورت میں اس کے کام آئے گا اور وہ یہ بھی عہد کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو نان نفقہ دے گا اور اس کی جسمانی خواہشات کو بھی پورا کرے گا۔

The ketubah lays out rights of the wife (to monetary payments upon termination of the marriage by death or divorce), and obligations of the husband (providing food, shelter, clothing, and sexual satisfaction to the wife). Due to its overriding importance, it was not written in the Hebrew language, but in Aramaic, the lingua franca of Jews at the time the first Ketubot became standardized.[۲۵]

’’یہ نکاح نامہ بیوی کے حقوق کا آئینہ دار ہے (یعنی شوہر کی طرف سے طلاق یا شوہر کی وفات کی صورت میں بیوی کو ضروری پیسے ملیں گے) اور شوہر کی ذمہ داری کو بیان کرتا ہے (کہ وہ بیوی کو روٹی' مکان' کپڑا اور جسمانی اطمینان دے گا)۔اس کی اس غیر ضروری اہمیت کی بنا پر اسے ہبرو زبان کے بجائے آرامی زبان میں تحریر کیا گیا تھا جس وقت پہلا نکاح نامہ بطور معیار بنایا گیا۔اس لیے کہ اس وقت یہودیوں کی مادری زبان آرامی ہوا کرتی تھی۔‘‘

یہ نکاح نامہ حاضرین کے سامنے اونچی آواز سے پڑھا جاتا ہے۔تاکہ تمام لوگ اس نکاح نامہ کی عبارت کو سن سکیں اور اس پر گواہ بن سکیں:

The Ketubah is then read, generally by the rabbi.[۲۶]

’’راہب (یہودی عالم) پھر اس ketubah (نکاح نامہ) کو مختصر طور پر (لوگوں کے سامنے) پڑھے۔‘‘

یہودی اسے بہت قیمتی اور مبارک خیال کرتے ہیں اس لیے اسے بہت خوبصورت انداز میں فریم کرا کر گھر میں لٹکایا جاتا ہے:

The ketubah is often a beautiful work of calligraphy, framed and displayed in the home.[۲۷]

’’نکاح نامہ پر خوبصورت سی خطاطی کرانے کے بعد اسے فریم میں بند کر کے گھر میں لٹکا دیا جاتا ہے۔‘‘

دُلہا دلہن کا شراب پینا

یہودی شادی کی ایک رسم یہ بھی ہے کہ شادی کے موقع پر راہب شراب کا ایک گلاس لیتا ہے اور اس پر چند دعائیں پڑھتا ہے (بعض جگہ دو دعاؤں کا ذکر ہے) اور اس کے بعد راہب شراب کا گلاس زوجین کو دیتا ہے اور وہ باری باری اس میں سے شراب پیتے ہیں:

The Rabbi recites two blessings over a cup of wine. The bride and groom then drink from the cup.[۲۸]

’’راہب (یہودی عالم) شراب کے گلاس پر دو دعائیں پڑھے۔پھر دُلہا اور دُلہن اس کپ میں سے شراب پئیں۔‘‘

Jewish Encyclopedia میں بھی زوجین کے شراب پینے کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ راہب پہلے اس پر رحمت کی دعائیں پڑھے گا اور پھر وہ شراب دُلہا دلہن کو پینے کے لیے دے گا:

It is also customary to recite the blessings of erusin and nissuin over a cu pof wine from which both bride and groom drink.[۲۹]

’’یہ بھی معاشرتی روایت ہے کہ شراب کے گلاس پر (راہب کی طرف سے) تورات میں سے چند دعائیں پڑھنے کے بعد دُلہا اور دُلہن اس شراب کو پئیں۔‘‘

گلاس توڑنے کی رسم

یہودی شادی کی ایک انوکھی رسم یہ ہے کہ دلہا دلہن شراب پینے کے بعد گلاس کو زمین پر رکھتے ہیں اور دُلہا گلاس کو اپنے دائیں پاؤں سے توڑتا ہے اور سب لوگ ’’میزل تاؤ‘‘ یعنی خوش قسمت پکارتے ہیں۔

اس گلاس توڑنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہودی تاریخ میں ان پر جو ظلم و زیادتیاں ہوئی ہیں اس کی یاد میں یہ گلاس توڑا جاتا ہے تاکہ شادی کے اس مسرّت موقع پر بھی اس ظلم و زیادتی کو یاد رکھا جائے۔

The rabbi blesses the couple and then the groom breaks a glass with his foot.This calls to mind the destruction of the Temple back in the history of Judaism. Even though a weeding day is a time of joy and celebration there is still grief because of the pain of some events in Jewish history.[۳۰]

’’راہب (یہودی عالم) نئے جوڑے کو دعائیں دے اور پھر دلہا اپنے پاؤں سے گلاس کو توڑے۔ یہ دراصل ان مظالم کی یاد کے طور پر ہے جو یہودیوں پر ماضی میں ہوئے تھے۔ شادی کی تقریب اگرچہ خوشی کا دن ہے لیکن ماضی میں یہودیوں پر کیے گئے مظالم کی وجہ سے اس دن دکھ (کے احساسات) بھی موجود ہیں۔‘‘

Jewish Encyclopedia میں بھی گلاس توڑنے کی اس رسم کو بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہ گلاس توڑنا یہودیوں پر کیے گئے مظالم کے بعد اب ایک نئی صبح کی علامت ہے:

It is also customary to recite the blessings of erusin and nissuin over a cup of wine, from which both bride and groom drink, as well as for the groom to break a glass, traditionally a sign of morning over the destruction of the Temple.[۳۱]

’’شراب کے گلاس پر چند دعائیں پڑھنے اور پھر دلہا اور دلہن کے اس شراب کو پینے کے ساتھ یہ بھی معاشرتی روایت ہے کہ دلہا ایک گلاس کو (اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے) توڑے۔ یہ یہودیوں پر مظالم کے دور کے بعد ایک نئی صبح کی علامت ہے۔‘‘

بعض یہودیوں کے نزدیک اس گلاس توڑنے کا مقصد یہ ہے کہ گلاس کے ٹکڑے یہ بتاتے ہیں کہ یہ دلہا دلہن کب تک شادی کے بندھن میں رہیں گے یعنی ان کی شادی کب تک قائم رہے گی:

Along with that belief, some Jews believe that the broken pieces of the glass tell you how long the bride and groom's marriage will last.[۳۲]

’’ان تصورات کے ساتھ ساتھ کچھ یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اس ٹوٹنے والے

گلاس کے ٹکڑے یہ بتاتے ہیں کہ یہ دلہا اور دلہن کب تک شادی کے بندھن میں بندھے رہیں گے۔‘‘

یہودیوں نے اس کی اور بھی وجوہات بیان کی ہیں مگر زیادہ صحیح یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ ٹوٹا گلاس اس دور کی علامت ہے جب یہودیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے تھے:

The groom smashes a glass (or a small symbolic piece of glass) with his right foot, to symbolize the destruction of the Temple.[۳۳]

’’پھر دلہا گلاس (یا گلاس کے کسی چھوٹے ٹکڑے کو) اپنے دائیں پاؤں سے توڑتا ہے۔ یہ اس دور کی علامت ہے جب یہودیوں کے ہیکلِ سلیمانی کو تباہ و برباد کیا گیا۔‘‘

رشید احمد نے بھی اپنی کتاب میں ’’گلاس توڑنے کی رسم‘‘ کو بیان کیا ہے:

’’اس کے بعد (راہب) شراب کا ایک گلاس لیتا ہے اور دعا کر کے پھر زوجین کو دیتا ہے جسے وہ دونوں چکھ لیتے ہیں۔ خالی گلاس فرش پر رکھ دیا جاتا ہے جسے نوشہ توڑ دیتا ہے اور حاضرین میزل تاؤ (mezal tov) یعنی خوش قسمت چلاتے ہیں۔‘‘[۳۴]

سات دعائیں/سات چکّر

یہودیوں کی ایک رسم یہ بھی ہے کہ شادی کی تقریب میں زوجین سات دعائیں پڑھتے ہے اور بعض یہودیوں میں یہ بھی رواج ہے کہ دلہن ان دعاؤں کے ساتھ ساتھ دلہا کے گرد چکر بھی لگاتی ہے۔ Jewish Encyclopedia میں ہے:

Finally the "seven benedictions" of nissuin are recited. In some communities, the custom prevails of having the bride walk round the groom seven times before the ceremony actually begins.[۳۵]

’’آخر میں ’’سات خیر کی دعائیں‘‘ پڑھی جاتی ہیں۔ بعض لوگوں میں یہ رواج ہے کہ شادی کی تقریب شروع ہونے سے پہلے دلہن، دلہا کے گرد سات چکّر لگاتی ہے۔‘‘

ان دعاؤں کو پڑھتے وقت دس گواہوں کی موجودگی لازمی ہے اور اس موقع پر پڑھی جانے والی سات دعائیں درج ذیل ہیں:

The bride and groom recite seven blessings (sheva brakhos) in the presence of a minyan (prayer quorum of 10 adult Jewish men). The essence of each of the seven blessings is:

1.Who has created everything for his glory
2.Who fashioned the Man
3.Who fashioned the Man in His image ...
4.Who gladdens Zion through her children
5.Who gladdens groom and bride
6.Who created joy and gladness...... who gladdens the groom with the bride, and
7.The standard prayer over wine.[36]

’’دلہا اور دلہن minyan (جو کہ دس یہودی بالغ مردوں کا گروہ ہوتا ہے) کے سامنے سات دعائیں پڑھتے ہیں۔ اس سات دعاؤں کا نچوڑ ہے اس رب کی تعریف کرنا:

(۱) جس نے ہر شے کو اپنی شان کے لیے پیدا کیا
(۲) جس نے انسان کو روپ دے کر دلکش بنایا
(۳) جس نے انسان کو اپنی صورت میں ڈھالا
(۴) جو یہودیوں کو اپنی اولاد سے بہلاتا ہے
(۵) جو دلہا اور دلہن کو خوش کرتا ہے
(۶) جس نے لطف اور خوشی جیسی نعمتیں تخلیق کیں...... جو دلہا کو دلہن کے ذریعہ خوش کرتا ہے، اور
(۷) شراب نوشی کے دوران پڑھی جانے والی بنیادی۔‘‘

مہر کا تصور

باقی الہامی مذاہب کی طرح یہودیت میں بھی عورت کے مہر کا تصور ملتا ہے' لیکن یہودی قانون میں مہر کو عورت کا معاشی حق نہیں سمجھا جاتا اس لیے اسے اتنی اہمیت بھی نہیں دی جاتی۔ اسی وجہ سے یہودی قانون میں اس کا تذکرہ اشارتاً تو ملتا ہے مگر صراحتاً اس کا

ذکر نہیں ملتا۔ محمد عبدالرحمٰن یہودی مذہب میں مہر کے تصور کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’یہودی مذہب میں عورت کا مہر ہوتا ہے اور وہ اس کی مالک بنتی ہے، لیکن یہ اس کا قانونی یا معاشی حق نہیں ہے کہ اس کو بہت زیادہ اہمیت دی جائے۔‘‘[37]

کتاب مقدس میں بھی اس مہر کا ذکر اشارتاً موجود ہے:

’’اگر کوئی مرد کسی کنواری کو جس کی نسبت نہ ہوئی ہو پھسلا کر اس سے مباشرت کرے تو وہ ضرور ہی اسے مہر دے کر اس سے بیاہ کرے، لیکن اگر اس کا باپ ہرگز راضی نہ ہو کہ اس لڑکی کو اسے دے تو وہ کنواریوں کے مہر کے موافق اسے نقدی دے۔‘‘[38]

کتاب مقدس میں دوسری جگہ اس مہر کی مقدار کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ وہ ’’چاندی کے پچاس مثقال‘‘ ہے:

’’اگر کسی آدمی کو کوئی کنواری لڑکی مل جائے جس کی نسبت نہ ہوئی ہو اور وہ اسے پکڑ کر اس سے صحبت کرے اور دونوں پکڑے جائیں تو وہ مرد جس نے اس سے صحبت کی ہو، لڑکی کے باپ کو چاندی کے پچاس مثقال دے اور وہ لڑکی اس کی بیوی بنے کیونکہ اس نے اسے بے حرمت کیا اور وہ اسے اپنی زندگی بھر طلاق نہ دینے پائے۔‘‘[39]

محرمات

محرمات کا تصور تو ہر مذہب میں موجود ہے۔ یہودیت چونکہ ایک آسمانی مذہب ہے اس لیے اس میں ان عورتوں کا تفصیلاً ذکر ہے جن سے نکاح کرنا ایک یہودی کے لیے ممنوع ہے۔ کتاب مقدس میں ہے:

’’تم میں سے کوئی اپنی کسی قریبی رشتہ دار کے پاس اس کے بدن کو بے پردہ کرنے کے لیے نہ جائے۔‘‘[40]

اب ہم ذیل میں ان رشتوں کو ترتیب سے بیان کرتے ہیں جن سے نکاح کرنا یہودی قانون میں ممنوع ہے:

<u>ماں</u>: ماں سے نکاح کرنا کسی مذہب میں جائز نہیں ہے چاہے وہ سگی ماں ہو جس نے اسے

جنا ہے یا وہ اس کے باپ کی بیوی یعنی سوتیلی ماں ہو:

''تو اپنی ماں کے بدن کو جو تیرے باپ کا بدن ہے بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں ہے۔ تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا۔''[۴۱]

یہ تو سگی ماں کی بات تھی۔ سگی ماں کی طرح سوتیلی ماں سے نکاح کرنا بھی تقریباً ہر مذہب میں حرام ہے۔ کتاب مقدس میں ہے:

''کوئی شخص اپنے باپ کی بیوی سے بیاہ نہ کرے اور اپنے باپ کے دامن کو نہ کھولے۔''[۴۲]

دوسری جگہ اس موضوع کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

''لعنت اس پر جو اپنے باپ کی بیوی سے مباشرت کرے کیونکہ وہ اپنے باپ کے دامن کو بے پردہ کرتا ہے۔''[۴۳]

بہن: ماں کی طرح بہن سے نکاح کرنا بھی یہودی قانون میں حرام ہے:

''لعنت اس پر جو اپنی بہن سے مباشرت کرے خواہ وہ اس کے باپ کی بیٹی ہو خواہ ماں کی۔''[۴۴]

کتاب مقدس میں اس موضوع کو کئی اور جگہ بھی بیان کیا گیا ہے:

''تو اپنی بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو، چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو خواہ اور کہیں، بے پردہ نہ کرنا۔''[۴۵]

پوتی/نواسی: یہودی شریعت میں پوتی اور نواسی سے بھی بیاہ نہیں کیا جا سکتا:

''تو اپنی پوتی یا نواسی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ ان کا بدن تو تیرا ہی بدن ہے۔''[۴۶]

ساس: یعنی بیوی کی ماں سے بھی شادی کرنا حرام ہے:

''لعنت اس پر جو اپنی ساس سے مباشرت کرے اور سب لوگ کہیں آمین۔''[۴۷]

پھوپھی: پھوپھی یعنی باپ کی بہن سے بیاہ کرنا بھی یہودی شریعت میں حرام ہے:

''تو اپنی پھوپھی کے بدن کو بھی بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کی قریبی رشتہ دار ہے۔''[۴۸]

خالہ: پھوپھی کی طرح خالہ یعنی ماں کی بہن سے بیاہ کرنا بھی یہودی شریعت میں حرام ہے:

''تو اپنی خالہ کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں کی قریبی رشتہ دار ہے۔''[۴۹]

چچی/تائی: پھوپھی اور خالہ کی طرح چچی / تائی یعنی باپ کے بھائی کی بیوی سے بیاہ کرنا بھی یہودی شریعت میں حرام ہے:

''تو اپنے باپ کے بھائی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا یعنی اس کی بیوی کے پاس نہ جانا۔ وہ تیری چچی ہے۔''[۵۰]

بہو: یہودی قانون ازدواج کے مطابق بیٹے کی بیوی سے بھی بیاہ کرنا حرام ہے:

''تو اپنی بہو کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بیٹے کی بیوی ہے۔ سو تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا۔''[۵۱]

بھابھی: ایک بھائی دوسرے بھائی کی بیوی سے بیاہ نہیں کر سکتا:

''تو اپنی بھاوج کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بھائی کا بدن ہے۔''[۵۲]

اجتماع اختین بھی ممنوع ہے: ایک شخص کا دو بہنوں سے ایک ہی وقت میں نکاح کرنا اسلام کی طرح یہودیت میں بھی حرام قرار دیا گیا ہے:

''تو اپنی سالی سے بیاہ کر کے اسے اپنی بیوی کی سوکن نہ بنانا کہ دوسری کے جیتے جی اس کے بدن کو بھی بے پردہ کرے۔''[۵۳]

اسی طرح ماں بیٹی یا ماں اور نواسی کو نکاح میں جمع کرنا بھی ممنوع ہے۔ یہودی شریعت نے اسے خباثت قرار دیا ہے:

''تو کسی عورت اور اس کی بیٹی دونوں کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا اور نہ تو اس عورت کی پوتی یا نواسی سے بیاہ کر کے ان میں سے کسی کے بدن کو بے پردہ کرنا کیونکہ وہ دونوں اس عورت کی قریبی رشتہ دار ہیں۔ یہ بڑی خباثت ہے۔''[۵۴]

غیر یہودی عورت سے نکاح بھی ممنوع ہے: یہ تو ان محرمات کا ذکر ہے کہ جن کی حرمت واضح الفاظ میں یہودی شریعت میں بیان کر دی گئی ہے، جبکہ غیر یہودی عورت سے نکاح کرنے کی حرمت کا بھی ذکر اشارتاً موجود ہے۔ لڑکے اور لڑکی کا پیدائشی طور پر یہودی

ہونا لازم ہے اگر ان میں سے ایک غیر یہودی ہے تو پھر ان کا نکاح نہیں ہوسکتا۔

In certain cases, the marriage is not recognized abinitio, e.g. marriage with a mother, sister,daughter, non-Jewess or wife of another man.[55]

''بعض صورتوں میں شادی تسلیم شدہ نہیں ہے' مثلاً ماں' بہن' بیٹی' غیر یہودی یا کسی دوسرے آدمی کی بیوی کے ساتھ۔''

Most marriages in Judaism take place between believing Jews, this is because the child of a non-Jewish mother is not Jewish even if the father is.[56]

''یہودیت میں زیادہ تر شادیاں یہودیوں (یہودی مرد اور یہودی عورت) کے درمیان ہی ہوتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر یہودی عورت سے پیدا ہونے والا بچہ یہودی نہیں ہوتا اگرچہ اس کا باپ یہودی ہو۔''

تعدّدِ ازدواج

معاشرتی نشوونما کے سلسلے میں تعدد ازدواج یعنی ایک مرد کا بیک وقت ایک سے زیادہ عورتوں کا شوہر ہونا ایک ناگزیر امر ہوتا ہے۔قدیم زمانوں میں آئے دن جنگوں کے باعث مردوں کی آبادی میں کمی ہوجایا کرتی تھی جس سے عورتوں کی تعداد میں اضافہ ہوجاتا تھا اس لیے تعدد ازدواج کا قانون رائج کرنے کی ضرورت پیش آئی۔اس کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاسکتی ہے کہ سرداروں اور بادشاہوں کو مکمل اختیار حاصل تھے جس کی وجہ سے وہ جتنی چاہتے شادیاں کرلیتے تھے۔

یہودیت میں بھی تعدد ازدواج کی اجازت اگرچہ صراحتاً تو نہیں ملتی' مگر مختلف واقعات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس معاشرہ میں بھی تعدد ازدواج کی اجازت تھی۔ یہودیت کے تعدد ازدواج کے قانون کی ایک بڑی خرابی یہ تھی کہ اس کی کوئی حد بندی نہیں تھی:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے پہلے بنی اسرائیل کے ہاں تعدد ازدواج کا

دستور تھا۔حضرت موسیٰ نے اسے قائم رہنے دیا یہاں تک کہ انہوں نے اس کی کوئی حد مقرر نہ کی کہ ایک یہودی مرد بیک وقت کتنی عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا تھا۔''[57]

ایک یہودی اپنی خوشی اور خواہشات کی تکمیل کے لیے لاتعداد عورتوں سے شادی کرسکتا ہے۔اس سلسلے میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی مثالیں دی جاسکتی ہیں جن کی بے شمار بیویاں تھیں۔کتابِ مقدس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد کا تذکرہ موجود ہے:

''سلیمان ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگا اور اس کے پاس سات سو شاہزادیاں اسکی بیویاں اور تین سو حرمین تھیں۔''[58]

اس بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہودیت میں تعدد ازدواج کی اجازت ہے اور اس کی کوئی حد بندی بھی نہیں ہے' مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک یہودی شخص اتنی بیویاں رکھ سکتا ہے جن کو نان ونفقہ دینے کی اس میں استطاعت ہو۔

بیوہ و مطلقہ کا نکاحِ ثانی

یہودی چونکہ عورت کو ایک بری چیز تسلیم کرتے ہیں اس لیے ان کے قانون میں جب ایک عورت کی شادی ہوگئی تو پھر وہ دوبارہ شادی نہیں کرسکتی۔اگر کسی یہودی عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی تو اب وہ دوبارہ شادی نہیں کرسکتی اور نہ ہی کسی مرد کو اس سے شادی کرنے کی اجازت ہے۔کتابِ مقدس میں ہے:

''وہ کسی فاحشہ یا ناپاک عورت سے بیاہ نہ کریں اور نہ اس عورت سے بیاہ کریں جسے اس کے شوہر نے طلاق دی ہو۔''[59]

اسی طرح کئی اور مقامات پر یہودی مرد کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ کسی مطلقہ عورت سے بیاہ نہ کرے بلکہ کسی کنواری لڑکی سے بیاہ کرے:

''اور وہ کنواری لڑکی سے بیاہ کریں۔جو بیوہ یا مطلقہ یا ناپاک عورت یا فاحشہ ہو ان سے وہ بیاہ نہ کرے بلکہ اپنی ہی قوم کی کنواری کو بیاہ لے۔''[60]

سید جلال الدین بھی اپنی کتاب میں یہی لکھتے ہیں کہ یہودی قوانین میں عورت

کو دوسری شادی کرنے کی کوئی اجازت نہیں تھی:

''یہودی قانون کی رو سے مرد وارث کی موجودگی میں عورت وارث سے محروم ہو جاتی ہے۔ اس طرح عورت کو دوسری شادی کا بھی حق نہیں تھا۔''(۶۱)

حافظ ضیاء الدین نے یہودی قانون میں عورت کی دوسری شادی کی پابندی کو عورتوں پر بہت بڑا ظلم قرار دیا ہے:

''اسی طرح اگر ایک مرتبہ عورت کی شادی مرد سے ہوگئی تو یہودی شریعت میں اس عورت کو دوسری شادی کی کسی صورت اجازت نہ تھی۔ اس سے واضح ہوا کہ عورت پر ظلم وستم کی یہودیوں نے انتہا کر دی تھی۔''(۶۲)

یہ تو اس عورت کے نکاح کا بیان تھا جس کو اس کا شوہر طلاق دے دے اور اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے تو اس کے لیے یہودی قانون میں یہ حکم ورواج تھا کہ وہ اپنے شوہر کے بھائی سے شادی کرے اور اس شادی سے ہونے والا پہلا بچہ بھی اس کا نہیں بلکہ اس کے مرحوم بھائی کا شمار ہوتا تھا۔ اگر اس کے شوہر کا بھائی شادی کرنے سے انکار کر دیتا تو پھر اسے اس بات پر مجبور کیا جاتا اور اگر وہ پھر بھی نہ مانتا تو اس کو عمر بھر ذلت کا سامنا کرنا پڑتا۔ کتاب مقدس میں ہے:

''اگر کئی بھائی مل کر ساتھ رہتے ہوں اور ایک ان میں سے بے اولاد مر جائے تو اس مرحوم کی بیوی کسی اجنبی سے بیاہ نہ کرے بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس کے پاس جا کر اسے اپنی بیوی بنا لے اور شوہر کے بھائی کا جو حق ہے وہ اس کے ساتھ ادا کرے۔ اور اس عورت کے جو پہلا بچہ ہو وہ اس آدمی کے مرحوم بھائی کے نام کا کہلائے تا کہ اس کا نام اسرائیل میں سے مٹ نہ جائے۔ اور اگر وہ آدمی اپنی بھاوج سے بیاہ نہ کرنا چاہے تو اس کی بھاوج پھاٹک پر بزرگوں کے پاس جائے اور کہے میرا دیور اسرائیل میں اپنے بھائی کا نام بحال رکھنے سے انکار کرتا ہے اور میرے ساتھ دیور کا حق ادا کرنا نہیں چاہتا۔ تب اس کے شہر کے بزرگ اس آدمی کو بلوا کر سمجھائیں اور اگر وہ اپنی بات پر قائم رہے اور کہے کہ مجھ کو اس سے بیاہ کرنا منظور نہیں ہے تو اس کی بھاوج بزرگوں کے سامنے اس کے پاس جا کر اس کے پاؤں سے جوتی اتارے اور اس کے مُنہ پر تھوک دے اور یہ کہے کہ جو آدمی

اپنے بھائی کا گھر آباد نہ کرے اس سے ایسا ہی کیا جائے گا۔ تب اسرائیلیوں میں اس کا نام پڑ جائے گا کہ یہ اُس شخص کا گھر ہے جس کی جوتی اتاری گئی تھی۔''(۶۳)

جب یہودی عورت کا شوہر مر جاتا تو اب اسے اپنے شوہر کے بھائی سے لازمی شادی کرنی پڑتی تھی اور اس شادی میں ایک طرف تو لڑکے کو مجبور کیا جاتا تھا تو دوسری طرف عورت سے بھی اس کی رضا نہیں پوچھی جاتی تھی۔ اور اس شادی سے ہونے والی پہلی اولاد بھی اس پہلے خاوند ہی کی شمار ہوتی تھی بقول شبلی نعمانی:

''یہودی مذہب میں بیوہ عورت ایک بھائی کے مرنے کے بعد اس کے دوسرے بھائی کی ملک ہو جاتی تھی اور وہ جس طرح چاہتا اس سے معاملہ کر سکتا تھا۔ اس زن وشوئی کے تعلق میں عورت کی مرضی کا کوئی اختیار نہ تھا' بلکہ اس کی حیثیت مجبور کی سی ہوتی تھی۔''(۶۴)

زنا اور اس کی سزا

باقی مذاہب کی طرح یہودیت میں بھی شادی سے پہلے کے تعلق کو حرام قرار دیا گیا ہے اور مرد وعورت کے تعلق کے لیے شادی کو لازمی قرار دیا ہے۔ یہودیت میں بھی زنا حرام ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والے مرد وعورت کو سنگسار کر دینے کا حکم موجود ہے۔ کتاب مقدس میں اس بارے میں کافی روایات موجود ہیں' مثلاً:

''اگر کوئی کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتا پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دفع کرنا۔''(۶۵)

اسی طرح اگر کسی لڑکی کی شادی ہو جائے اور شادی کے وقت پتا چلے کہ اس عورت نے شادی سے پہلے کسی مرد سے ناجائز تعلق رکھا تھا تو اس عورت کو سنگسار کیا جائے گا:

''اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے

دفع کرنا۔"[66]

اسی طرح اگر کوئی اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے تو اس کی سزا بھی موت ہے:

"اور جو شخص دوسرے کی بیوی سے یعنی اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے، وہ زانی اور زانیہ دونوں ضرور جان سے مار دیے جائیں۔"[67]

سید ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں:

"اگر کوئی شخص کاہن کی بیٹی سے زنا کرے تو اس کے لیے یہودی قانون میں پھانسی کی سزا ہے اور لڑکی کے لیے زندہ جلانے کی۔"[68]

نوٹ: یہ سنگسار کرنے کی سزا اس وقت ہے جب کسی شادی شدہ لڑکی سے زنا کیا جائے یا شادی کے بعد لڑکی کے فاحشہ ہونے کا پتا چلے۔ اور اگر کوئی کنوارا لڑکا کسی کنواری لڑکی سے زنا کرے تو اس کو رجم کی سزا نہیں دی جائے گی، بلکہ اس کی سزا یہ ہوگی کہ وہ اس لڑکی سے شادی کرے اور اس کے باپ کو کچھ جرمانہ ادا کرے۔ اس کا بیان آگے آ رہا ہے۔

زنا بالجبر کی سزا

اگر کوئی مرد کسی عورت سے اس کی رضامندی کے بغیر زنا کرے تو اس عورت کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی اس لیے کہ وہ تو مجبور تھی، لیکن اس مرد کو قتل کیا جائے گا:

"اگر اس آدمی کو وہی لڑکی جس کی نسبت ہو چکی ہو کسی میدان یا کھیت میں مل جائے اور وہ آدمی جبراً اس سے صحبت کرے تو فقط وہ آدمی ہی جس نے صحبت کی مار ڈالا جائے، پر اس لڑکی سے کچھ نہ کرنا کیونکہ لڑکی کا ایسا گناہ نہیں جس سے وہ قتل کے لائق ٹھہرے۔ اس لیے کہ یہ بات ایسی ہے جیسے کوئی اپنے ہمسایہ پر حملہ کرے اور اسے مار ڈالے کیونکہ وہ لڑکی اسے میدان میں ملی اور وہ منسوبہ لڑکی چلائی بھی۔ پر وہاں کوئی ایسا نہ تھا جو اسے چھڑاتا۔"[69]

لونڈی سے زنا کرنے کی سزا

ماقبل بیان کردہ سزا اس صورت میں ہے جب لڑکی آزاد ہو، لونڈی نہ ہو۔ اگر کوئی شخص کسی لونڈی سے زنا کرتا ہے تو اس کو اتنی سخت سزا نہیں دی جائے گی کہ اسے قتل کر دیا جائے، بلکہ اسے کوئی معمولی سزا دی جائے گی:

"اگر کوئی ایسی عورت سے صحبت کرے جو لونڈی ہو اور کسی شخص کی منگیتر ہو اور نہ تو اس کا فدیہ ہی دیا گیا ہو اور نہ وہ آزاد کی گئی ہو تو ان دونوں کو سزا ملے، لیکن وہ جان سے مارے نہ جائیں۔ اس لیے کہ وہ عورت آزاد نہ تھی۔"[70]

جبری آبروریزی کی صورت میں نکاح کا لزوم

ہندومت کی طرح یہودیت میں بھی یہ قانون موجود ہے کہ اگر کوئی مرد کسی لڑکی سے جبراً زنا کرتا ہے تو اس لڑکے اور لڑکی کا نکاح لازم ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے اس عورت کی عزت کو پامال کیا ہے اور اب معاشرہ میں اس عورت سے کوئی بیاہ نہیں کرے گا۔ اس لیے اس کا حل یہ ہے کہ جس مرد نے اسے بے آبرو کیا ہے وہی اس سے شادی کرے۔ کتاب مقدس میں ہے:

"اگر کوئی آدمی کسی کنواری کو جس کی نسبت نہ ہوئی ہو، پھسلا کر اس سے مباشرت کرے تو وہ ضرور ہی اسے مہر دے کر اس سے بیاہ کرے۔"[71]

اگر اس مباشرت میں کنوای لڑکی کی رضا بھی شامل ہو تب بھی اس کا قانون یہی ہے کہ ان دونوں کا نکاح کیا جائے اور زنا کرنے والے مرد پر لازم ہے کہ وہ لڑکی کے باپ کو جرمانہ ادا کرے۔ کتاب مقدس میں ہے:

"اگر کسی آدمی کو کوئی کنواری لڑکی مل جائے جس کی نسبت نہ ہوئی ہو اور وہ اسے پکڑ کر اس سے صحبت کرے اور دونوں پکڑے جائیں تو وہ مرد جس نے اس سے صحبت کی ہو، لڑکی کے باپ کو چاندی کے پچاس مثقال دے اور وہ لڑکی اس کی بیوی بنے کیونکہ اس نے اسے بے حرمت کیا اور وہ اسے اپنی زندگی بھر طلاق نہ دینے پائے۔"[72]

خلاصۂ بحث

یہودیت کے عائلی قوانین اور نکاح کی رسومات کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس مذہب اور معاشرہ میں نکاح کے قوانین افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ مرد کو حقوق ہی حقوق حاصل ہیں اور عورت کو لونڈی کا درجہ بھی نہیں دیا گیا، بلکہ اسے گناہ کا

سبب قرار دے کر اس کی عزت کا تصور ہی ختم کر دیا گیا اور ظاہر یہ کیا گیا کہ عورت گناہوں کی جڑ ہے اور اس سے بچ کر رہنے میں ہی عافیت ہے۔

یہودیت میں شادی کی رسومات کا جائزہ لیا جائے تو چند عجیب وغریب رسمیں دیکھنے کو ملتی ہیں مثلاً شراب پینا' گلاس توڑنے کی رسم اور اسی طرح دس بندوں کی گواہی وغیرہ۔

یہودی مذہب میں مرد کو بغیر کسی حد بندی کے شادیاں کرنے کی اجازت ہے' جبکہ عورت کو طلاق کے بعد بھی دوبارہ نکاح کا حق نہیں دیا گیا۔ اور بیوہ کا نکاح زبردستی اس کے دیور سے کر دیا جاتا ہے اور اس نکاح سے ہونے والا پہلا بیٹا بھی مرحوم شوہر کا تصور کیا جاتا ہے۔

زنا کی سزا اگرچہ سنگسار تھی مگر یہودی معاشرہ نے اسے منہ کالا کر کے گدھے پر بٹھانے سے بدل دیا تھا اور دوسری طرف زنا بالجبر کی صورت میں ان دونوں کا نکاح لازم ہو جاتا تھا۔

الغرض یہودی قانونِ ازدواج افراط وتفریط کا شکار تھا اور مرد کو تمام اختیارات حاصل تھے اور عورت ہر قسم کے اختیارات سے محروم تھی۔

حواشی(باب سوم)

(۱) پیدائش' باب۳:۱۷' ص۷۔
(۲) تمدنِ عرب' ص۳۷۳۔
(۳) گنتی' باب۳۰:۱۶' ص۱۵۸۔
(۴) مسلمان عورت' ص۲۳۔
(۵) روحِ اسلام' ص۳۵۹۔
(۶) Jewish Encyclopedia, P1272
(۷) www.judaism101marriage.com
(۸) Jewish Encyclopedia, P1272
(۹) Jewish Encyclopedia, P1272-1273
(۱۰) اسلام کا نظام عفت وعصمت' ص۱۹۵۔
(۱۱) رواہ البیهقی فی شعب الایمان۔
(۱۲) شادی کی تاریخ' ص۱۵۶۔
(۱۳) تاریخِ مذاہب' ص۲۸۹۔
(۱۴) www.marriage.com
(۱۵) Jewish Encyclopedia, P1273
(۱۶) تاریخِ مذاہب' ص۲۸۹۔
(۱۷) www.marriageinjudaism.com
(۱۸) www.judaism101marriage.com
(۱۹) www.jewishviewsofmarriage.com
(۲۰) Jewish Encyclopedia, P1273
(۲۱) www.marriageinjudaism.com
(۲۲) www.jewishviewsofmarriage.com
(۲۳) Jewish Encyclopedia, P1273
(۲۴) www.judaism101marriage.com
(۲۵) www.jewishviewsofmarriage.com

۲۷ Jewish Encyclopedia, P1273

۲۸ www.judaism101marriage.com

۲۹ www.marriageinjudaism.com

۳۰ Jewish Encyclopedia, P1273

۳۱ www.marriageinjudaism.com

۳۲ Jewish Encyclopedia, P1273

۳۳ www.jewishviewsofmarriage.com

۳۴ www.judaism101marriage.com

۳۵ تاریخ مذاہب، ص ۲۸۹۔

۳۶ Jewish Encyclopedia, P1273

۳۷ www.judaism101marriage.com

۳۸ عورت انسانیت کے آئینہ میں، ص ۱۴۰۔

۳۹ خروج، باب ۲۲: ۱۶۔۱۷، ص ۴۷۔

۴۰ استثناء، باب ۲۲: ۲۸۔۲۹، ص ۱۸۸۔

۴۱ احبار، باب ۱۸: ۷، ص ۱۱۱۔

۴۲ احبار، باب ۱۸: ۸، ص ۱۱۱۔

۴۳ استثناء، باب ۲۲: ۳۰، ص ۱۸۸۔

۴۴ استثناء، باب ۲۷: ۲۰، ص ۱۹۲۔

۴۵ استثناء، باب ۲۷: ۲۲، ص ۱۹۲۔

۴۶ احبار، باب ۱۸: ۱۹، ص ۱۱۲۔

۴۷ احبار، باب ۱۸: ۱۰، ص ۱۱۱۔

۴۸ استثناء، باب ۲۷: ۲۳، ص ۱۹۲۔

۴۹ احبار، باب ۱۸: ۱۲، ص ۱۱۱۔

۵۰ احبار، باب ۱۸: ۱۳، ص ۱۱۱۔

۵۱ احبار، باب ۱۸: ۱۴، ص ۱۱۱۔

۵۲ ایضاً، باب ۱۸: ۱۵۔

۵۳ ایضاً، باب ۱۸: ۱۶۔

۵۴ ایضاً، باب ۱۸: ۱۸۔

۵۵ ایضاً، باب ۱۸: ۱۷، ص ۱۱۲۔

۵۶ Jewish Encyclopedia, P1272

۵۷ www.marriageinjudaism.com

۵۸ روح اسلام، ص ۳۵۹۔

۵۹ سلاطین، باب ۱۱: ۳، ص ۳۴۰۔

۶۰ احبار، باب ۲۱: ۷، ص ۱۱۴۔

۶۱ احبار، باب ۲۱: ۱۳۔۱۴، ص ۱۱۵۔

۶۲ عورت اسلامی معاشرہ میں، ص ۳۱۔

۶۳ عورت قبل از اسلام و بعد از اسلام، ص ۳۴۔

۶۴ استثناء، باب ۲۵: ۵ تا ۱۰، ص ۱۹۰۔

۶۵ سیرت النبی ﷺ جلد ششم، ص ۲۹۰۔

۶۶ استثناء، باب ۲۲: ۲۲، ص ۱۸۷۔

۶۷ استثناء، باب ۲۲: ۲۰۔۲۱، ص ۱۸۷۔

۶۸ احبار، باب ۲۰: ۱۰، ص ۱۱۳۔

۶۹ تفہیم القرآن، جلد سوم، ص ۳۲۱۔

۷۰ استثناء، باب ۲۲: ۲۵۔۲۶، ص ۱۸۷۔

۷۱ احبار، باب ۱۹: ۲۰، ص ۱۱۳۔

۷۲ خروج، باب ۲۲: ۱۶، ص ۴۷۔

۷۳ استثناء، باب ۲۲: ۲۸۔۲۹، ص ۱۸۸۔

باب چہارم

عیسائیت

میں شادی بیاہ کی تعلیمات

عیسائیت میں
شادی بیاہ کی تعلیمات

یہودیت کی طرح عیسائیت بھی ایک آسمانی مذہب ہے، لیکن یہودیت اور یہودی معاشرہ کی طرح عیسائیت اور عیسائی معاشرہ میں بھی ازدواجی زندگی کا تصور بہت تاریک ہے اور عورت کی حیثیت مرد سے کم تر ہے۔ عیسائیت کی تعلیمات ازدواجی زندگی کے متعلق پوری رہنمائی نہیں کرتیں، بلکہ مزید معاشرتی، مذہبی اور اخلاقی اُلجھنوں میں گرفتار کر دیتی ہیں۔ بقول سید سلمان ندوی:

”اسلام سے پہلے جو اخلاقی مذاہب تھے ان سب میں مرد اور عورت کے ازدواجی تعلقات کو اخلاقی و روحانی ترقی کی راہ میں حائل سمجھا جاتا تھا۔ عیسائی مذہب میں رہبانیت اور ازدواجی زندگی سے گریز کو ہی روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔“[۱]

اگرچہ شادی ایک عمومی اور اہم معاملہ ہے اس کے باوجود عیسائی مذہب میں اس بارے میں واضح ہدایات موجود نہیں ہیں۔ اس بات کا اعتراف عیسائی محققین نے کیا ہے۔ بقول عبدالقیوم ندوی:

”دنیا کے ایک نہایت مشہور اور ترقی یافتہ قوموں کے اختیار کردہ مذہب عیسائیت میں آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ شادی جیسی اہم ضرورت کے بارے میں کوئی واضح ہدایت نہیں دی گئی۔ اس حقیقت کا اعتراف کسی اور نے نہیں بلکہ خود ایک عیسائی محقق نے کیا ہے۔“[۲]

شادی ایک مجبوری

ایک طرف عیسائیت میں شادی کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں تو دوسری

طرف لوگوں کو تجرد کی طرف مائل کیا گیا ہے۔ شادی کو بلند نصب العین نہیں قرار دیا گیا، بلکہ اس وقت شادی کرنے کو کہا گیا ہے جب زنا اور برائی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیت میں شادی ایک ضروری اور پسندیدہ چیز نہیں بلکہ ایک مجبوری ہے۔ بائبل کے مطابق:

”مرد کے لیے اچھا ہے کہ وہ عورت کو نہ چھوئے لیکن حرام کاری کے اندیشہ سے ہر مرد اپنی بیوی اور ہر عورت اپنا شوہر رکھے۔“[۳]

شادی اور ازدواجی زندگی سے دور رہنے والا اور تجرد کی زندگی گزارنے والا بہت بابرکت سمجھا جاتا تھا اور عیسائی معاشرہ میں شادی سے پرہیز کو بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی عیسائیت کے ازدواجی زندگی سے متعلق تصورات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”لوگ ازدواج سے پرہیز کرنے کو تقویٰ اور تقدس اور بلند اخلاق کی علامت سمجھنے لگے۔ پاک مذہبی زندگی بسر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یا تو آدمی نکاح نہ کرے اگر نکاح کر لے تو میاں اور بیوی ایک دوسرے سے زن و شوہر کا تعلق نہ رکھیں۔“[۴]

بقول مسلم بی اے:

”مسیحیت میں تجرد کی زندگی گزارنے والا بابرکت تھا اور جو شادی کرتا وہ اپنی روح کو خباثتوں اور آلائشوں میں ملوث کرتا تھا۔“[۵]

اسی طرح مرد و عورت کا صنفی تعلق نجس تصور کیا جاتا تھا۔ اس تصور کو اُجاگر کر کے لوگوں کو ازدواج سے دور رہنے کی تلقین کی جاتی تھی۔ سید مودودی اس بارے میں لکھتے ہیں:

”عورت اور مرد کا صنفی تعلق بجائے خود ایک نجاست اور قابل اعتراض چیز ہے خواہ وہ نکاح کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔ اخلاق کا یہ راہبانہ تصور پہلے سے اشراقی فلسفہ کے زیر اثر مغرب میں جڑ پکڑ رہا تھا۔ مسیحیت نے آ کر اسے حد تک پہنچایا۔ اب تجرد اور دوشیزگی بلند اخلاقی اقدار قرار پائی اور تاہل کی زندگی اخلاقی اعتبار سے پست اور ذلیل سمجھی جانے لگی۔“[۶]